بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ماہ و انجم

غلام جیلانی انجم ملک

مرتب: محمد جاوید انجم

انجم فاؤنڈیشن، بھکر

حقوقِ اشاعت

اصل نام:	غلام جیلانی
قلمی نام:	انجم ملک
تخلص:	انجم
کتاب کا نام:	مادو انجم
اشاعت:	مارچ 2018ء
تعداد:	1000
قیمت:	-/600روپے
ڈسٹری بیوٹرز:	سانجھ پبلشرز لاہور، بک لینڈ بھکر، عزیز برادرز بھکر
پبلشرز:	انجم فاؤنڈیشن، بھکر
کمپوزنگ:	مظہر مونس
سرورق:	ریاظ
مشاورت:	عباس خان ظفر عباس ملک، پروفیسر فلک شیر لیل، انور اقبال انور، عارف بخاری، اقبال حسین، پروفیسر منیر بلوچ، ڈاکٹر محمد اشرف کمال، ڈاکٹر محمد اکرم عزیز مرزا، شاہد بخاری، الطاف شعر بخاری، رائے ارشد حسین بھٹی، نیئر اقبال

ملنے کا پتہ: انجم فاؤنڈیشن

محمد ظفر اللہ خان ڈھاڈلہ سٹریٹ بھکر

PTCL #: 0453-510712

MOBILE #: 0333-8045712

Email:muhammadjavaidanjummalik@yahoo.com

شہداء کے نام

کہ جن کے عزم سے دھرتی تابندہ ہے……

حُسنِ ترتیب

غزلیات

رباعیات وقطعات

دیباچہ

واجب الاحترام والد محترم غلام جیلانی انجم ملک یکم جون ۱۹۳۸ء کو ضلع اٹک (موجودہ ضلع چکوال) کی تحصیل تلہ گنگ کے ایک چھوٹے سے گاؤں ملتان خورد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حافظ میاں محمد خان رائل انڈین آرمی میں بطور نائیک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کا اصل نام ''غلام جیلانی'' جبکہ قلمی نام ''انجم ملک'' تھا اور احباب بست وکشاد میں بھی انجم ملک کے نام ہی سے معروف رہے۔ آپ قبیلہ اعوان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھاگ بھری نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ دیگر افرادِ خانہ میں بڑی بہن محترمہ زینب بی بی اور چھوٹی بہن محترمہ زلیخا بی بی اور دو بھائی محمد یوسف جو بچپن میں ہی انتقال فرما گئے جبکہ چھوٹے بھائی محترم محمد سلیم اختر (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) ایک عالم اور معلم کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے تھے، شامل ہیں۔ آپ کی اولاد میں اکلوتا بیٹا (راقم الحروف) اور چھ بیٹیاں ہیں جو تمام تعلیم یافتہ اور شعبہ درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی۔ بعدازاں گورنمنٹ ہائی سکول لمن سے میٹرک کرنے کے بعد والدین کے ہمراہ ہجرت کر کے بھکر تشریف لے آئے۔ آپ ۹ ستمبر ۱۹۶۲ء کو گورنمنٹ ہائی سکول بھابڑہ ضلع سرگودھا میں بطور سینئر ٹیچر تعینات ہوئے۔ جہاں سے آپ کا تبادلہ ۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو گورنمنٹ ہائی سکول بھکر ہوا۔

آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۶۴ء میں بی اے، ۱۹۶۵ء میں بی ایڈ اور ۱۹۷۰ء میں ایم اے اردو، اور ۱۹۷۱ء میں ایم اے فارسی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء تا ۳۱ جولائی ۱۹۸۵ء بطور اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر تحصیل منکیرہ فائز رہے۔ یکم اگست ۱۹۸۵ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء دوبارہ گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول بھکر میں بطور ایس ایس ٹی تعینات ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو گورنمنٹ ہائی سکول بہل میں بطور انچارج ہیڈ ماسٹر خدمات سرانجام دیں۔ یکم اگست ۱۹۸۸ء کو گورنمنٹ ہائی سکول گدولہ میں ہیڈ ماسٹر اور بعدازاں گورنمنٹ ہائی سکول بستی میاں پنجہ میں بطور سینئر ہیڈ ماسٹر اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔

آپ انسانیت کے حقیقی ترجمان ثابت ہوئے۔ آپ اپنے اساتذہ اور بزرگوں کا بے حد احترام کرتے اور آپ کو ہمیشہ اپنے شاگردوں پر فخر رہا۔ دیرینہ اور قریبی دوستوں میں حاجی نور محمد (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) ملک غلام رسول جوئیہ (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) محمد لطیف بھٹی (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) فیض محمد خان (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) سید الطاف حسین شاہ بخاری (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) محمد نواز ملک (اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر) اور حافظ عمر حیات اولکھ (اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایجوکیشن) شامل رہے۔

ادبی دوستوں میں ڈاکٹر جی ایم اکمل، بشیر احمد بشر، سید واکر بدنی، منشا پانی پتی، حیا رام پوری، خلیل رام پوری، شکیب جلالی، کوثر حجازی، سید عمر علی شاہ، تنویر صہبائی، انور اقبال انور، خلش پیر اصحابی، نذیر ڈھالہ خیلوی، نثار بخاری، فضل حیدری، انجم نیازی، حسن حیدری اور شعیب جاذب شامل رہے۔

آپ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے سرشار اور اسلام کے عظیم اصولوں پر عمل پیرا رہے۔ آپ ایک فرض شناس معلم، ملک و ملت کا درد رکھنے والے ایک عظیم مفکر اور درویش صفت شخصیت کے مالک تھے۔ شاعری آپ کے مزاج کا خاصہ رہی۔ میر و غالب، عدم اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے افکار و نظریات سے بے حد متاثر تھے۔ اس لیے میرے فرائض میں شامل ہے کہ آپ کے افکار و نظریات قارئین تک پہنچاؤں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احباب کی دعاؤں کے طفیل "ماہ و انجم" کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔

آپ یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء کو اچانک عارضہ قلب کے سبب خالقِ حقیقی سے جا ملے اور ملز قبرستان منڈی ٹاؤن بھکر میں سپردِ خاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔.......................(آمین)

آپ کی آراء کا منتظر

محمد جاوید انجم ملک

طلوعِ ماہ وانجم

علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں ۔

’’فن کار حُسن و جمال کا جویا اور ترجمان سمجھا جاتا ہے ۔اس کے ساتھ وہ ہمارے ذہن وقلب میں آ گاہیِ حزیست کو بیدار کرتا ہے اور زندگی کی اعلیٰ اور نمو پذیر قدروں کو تقویت بخشتا ہے‘‘ ۔

انہوں نے اِن مختصر الفاظ میں ایک عظیم فن کار کی شناخت کے بنیادی حوالے بیان کر دیے ہیں ۔وہ حُسن و جمال کی حلاش کیے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ جب وہ اِن کو تلاش کر لیتا ہے تو وہی بتا سکتا ہے یہ کیسے ہیں ۔زندگی سے تعارف کرانا بھی صرف اسے آتا ہے اور پھر وہی ہے جو یہ جانتا ہے کہ زندگی کی بلندی کہاں تک ہے ۔

سکندریہ کے مفکر فلاطینوس نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ حُسنِ کامل ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس کی تقلید میں حُسنِ ازل اور محبوبِ اوّل کے نظریات نے ہر جگہ اہلِ نظر کو اپنی طرف متوجہ کیا اور یہ طے پایا کہ اس کائنات میں جہاں کہیں حُسن نظر آتا ہے یہ حُسنِ کامل، حُسنِ ازل یا محبوبِ اوّل کا عکس ہے۔اس حُسنِ ازل سے عقلِ کامل وجود میں آئی ۔عقلِ کامل نے آگے چل کر روحِ کل کو پیدا کیا۔روحِ کل سے روحِ انسانی نکلی اور روحِ انسانی بڑھ کر مادے میں گرفتار ہو گئی ۔انسانی جسم مادے ہی کی ایک صورت ہے۔ یہ جسم ہم آہنگی، تناسب اور توازن پا کر اس حُسن کی جھلک دکھاتا ہے جو افلاک کے اوپر موجود ہے۔

اس اندازِ فکر کی ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے
اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل، بو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

جس کی نمود دیکھی چشمِ ستارہ بیں نے
خورشید میں قمر میں تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیکھا قدرت کے بانکپن میں
جس کی چمک ہے پیدا جس کی مہک ہویدا
شبنم کے موتیوں میں پھولوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دم سے کاشانۂ چمن میں

اس ضمن میں وحید قزوینی نے حقیقت و مجاز کا کیا عمدہ امتزاج پیش کیا ہے:

ساقی چناں خوش است کہ گر مے کمی کند
پُر می کند بگردشِ چشمش پیالہ را

''کیا صاحبِ کمال ساقی ہے کہ شراب اگر کم ہو تو اپنی آنکھوں کی گردش سے پیدا ہونے والی شراب سے پیالے کو بھر دیتا ہے''۔

زندگی سے تعارف بھی صرف فنکار کو کرانا آتا ہے۔موتسارت آسٹریا کا ایک نامور موسیقار تھا۔وہ بہت مفلس تھا۔جب اس کی وفات ہوئی تو اس کو لاوارثوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔مشہور ہے کہ اکثر

شدید سردیوں کے دنوں میں اس کے پاس کھانے کے لیے اور خود کو سردی سے بچانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ خود کو گرم رکھنے کے لیے وہ اکثر اوقات کمرے میں اکیلے رقص کرتا رہتا تھا۔ وہ نغموں کا جو لازوال ذخیرہ چھوڑ گیا ہے اس پر آسٹریا والے فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح مرزا غالب کی مثال ہے۔ زندگی کو جس طرح انہوں نے دکھایا ہے شاید ہی کوئی دوسرا اس طرح دکھا سکے:

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

عرفی عین عالمِ شباب میں وفات پا گیا۔ اپنے غم کو غمِ جہاں میں بدلنا کوئی اس سے سیکھے:

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ محبوب شود
مے اگر خام بود پختہ کند شیشہء ما

''ہمارے دل میں بنی نوعِ انسان کا غم داخل ہو کر غمِ محبوب بن جاتا ہے۔ میرے جامِ دل کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں شراب خام اگر ڈالی جائے تو اسی وقت پختہ ہو جاتی ہے''۔

مجاز لکھنوی نے زندگی سے جس طرح آمنا سامنا کرایا ہے وہ دلوں پر نقش ہے:

شہر کی رات اور میں ناشاد ناکارہ پھروں
جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی میں کب تک در بدر مارا پھروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

اک محل کی اوٹ سے نکلا وہ پیلا ماہتاب
جیسے ملا کا عمامہ جیسے بنیے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی جیسے بیوہ کا شباب
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی
رات کے ہاتھوں میں دن کی موہنی تصویر سی
میرے سینے میں مگر چلتی ہوئی شمشیر سی
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

اور یہ فن کا رہی ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ زندگی کی بلندی کہاں تک ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں:

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے

یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

''میرے جیسے انسان کے جنون کے سامنے جبرئیل ایک بے بس شکار ہے۔ اے ہمتِ جواں مرداں! تمہیں تو یزداں پر کمند ڈالنی چاہیے۔''

مرزا غالب اس بارے بالکل پیچھے نہیں:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب

ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

انجم ملک کی شاعری اسی طرح ان کے مجموعہ کلام ''ماہ و انجم'' کی شکل میں حُسن، زندگی اور ان اقدار پر محیط ہے جو بنی نوع انسان کے لیے حاصلِ زندگی رہیں گی، کہتے ہیں:

حُسن پردوں میں ازل سے منتظر مستور تھا

مرحلہ تخلیقِ آدم کا ابھی تک دور تھا

خالقِ کل کا نہ جانے کیا ابھی منشور تھا

کچھ نہ تھا حق کے سوا اور حق کو سو منظور تھا

پہلے پیدا حُسنِ خود بیں نے کیا عشقِ رسولؐ

پھر فروغِ عشق یعنی تابشِ درِ بتولؓ

یہ اشعار بھی وہی انداز لیے ہوئے ہیں:

حُسن کا ساز نہ چھو گر دلِ بے تاب نہیں

آتشِ عشق سوا اس کا تو مضراب نہیں

جستجو شرط ہے ہر چیز یہاں ملتی ہے

حُسن کمیاب سہی عشق تو نایاب نہیں

ان کے کلام میں زندگی کے مظاہر ویسے ہی ہیں:

کسی کو دیکھو کہ سر چھپانے کو

جھونپڑا بھی نہیں میسر

اندھیری شب میں سڑک کے فٹ پاتھ پر پڑا ہے
کبھی وہ سردی میں سرد جھونکوں سے
اپنی ہڈیوں کو
چیتھڑوں سے چھپا رہا ہے
کبھی قرینے سے ننگا فٹ پاتھ
چیتھڑوں سے سجا رہا ہے

اولوالعزمی ملاحظہ ہو:

کیا کہتے ہیں احباب پتہ ہو تو بتا دو
اے جانِ تمنا میں سرِ دار کھڑا تھا
صرصر ہو کہ گل چیں ہو خزاں سب ہیں مخالف
گل صحنِ چمن میں گو سرِ خار کھڑا تھا
پھیلی ہے دور میرے خیالوں کی روشنی
جلتا ہوں آفتاب ضیا بار کی طرح
ہے میرا ہاتھ اہلِ تمنا کی نبض پر
جو چل رہی ہے وقت کی رفتار کی طرح

افلاطون کہتا ہے کہ ''کسی شخص کی اس سے بڑھ کر بد نصیبی کیا ہوگی کہ وہ عقل و خرد کا دشمن بن جائے''۔
اس نظریے کو انجم ملک نے کس خوبصورتی سے اپنے ایک شعر میں پیش کیا ہے:

دل سے جنوں کا ربط خرد کا دماغ سے
قائل نہیں خرد کو میں راہبر کہے بغیر

اہلِ علم کہتے ہیں کہ کہیں شاعر شاعری تخلیق کرتا ہے اور کہیں شاعر تخلیق ہوتا ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ کہیں شاعر شاعری کو تخلیق کرتا ہے اور کہیں شاعری شاعر کو تخلیق کرتی ہے۔ یہ دو پہلو تخلیق اور تخلیق کار کے معاملے میں بے حد اہم ہیں۔ ذرا مزید غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی آمد اور آورد والی بات ہے۔ شاعر کو الہام ہوتا ہے اور یہ الہام اتنا زوردار ہوتا ہے کہ اس کو زبان پر لائے بغیر شاعر حالتِ اضطراب میں رہتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے تخلیق کے عمل کو اپنی گرفت میں رکھنے پر قادر ہو تو یہ صورتِ حال آورد کہلاتی

ہے۔ہم نہایت گہرائی میں جائیں تو دل و دماغ کے روبرو جا کھڑے ہوتے ہیں۔خیال کیا جاتا ہے کہ دل جذبات کا منبع ہے اور دماغ عقل وخرد کا...... یہ وہی عشق و عقل والی بات ہے۔

میری رائے میں زیادہ تر شاعری نے انجم ملک کو تخلیق کیا ہے۔ان کا اکثر کلام بے ساختہ ان کے اندر سے بر آمد ہوا ہے۔اس رائے کی تائید میں ان کی شاعری کے عنوانات میں حمد،نعت،منقبت اور غزلیات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ان کے جذبوں پر ان کی عقل نے بھی گرفت رکھی ہے۔اس سلسلے میں ان کی قومی شاعری کی گواہی کافی ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ فن کار مقبول ہونے کے لیے اپنے پڑھنے والوں کی عام سطح پر اتر آتے ہیں۔ان کے مدمقابل چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو پڑھنے والوں کو اپنی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔انہیں مقبولیت کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی۔انجم ملک قاری کو اپنی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بہت سارے مقامات پر انہوں نے طنز سے کام لیا ہے۔

ان سب پہلوؤں پر ان کی قوتِ ادراک حاوی ہے جو قاری کو بے چین کر دیتی ہے اور چین بھی عطا کر دیتی ہے۔ان کا صرف یہ شعر پڑھ کر ان کیفیات کو دیکھ لیجیے:

لامکاں تو ہے تو بے سود ہے کعبے کا سفر
کوئی درماندہ جو پہنچے تو کہاں تک پہنچے

عباس خان

دل پذیر شخصیت

غلام جیلانی ادبی دنیا میں انجم ملک کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔بنیادی طور پر ملتان خورد ضلع اٹک سے تعلق رکھتے تھے جو تلہ گنگ کے نواح میں واقع ہے آپ کے والد محترم حافظ میاں محمد خان ریٹائرڈ فوجی تھے۔حافظ صاحب 50-60 کی دہائی کے وسط میں اپنے وطن سے ہجرت کر کے تلاشِ روزگار کے سلسلہ میں بھکر تشریف لائے اور محلہ ظفر اللہ خان ڈھانڈلہ میں اپنا مکان بنا کر رہائش پذیر ہوئے۔یہ انجم ملک صاحب کا عالمِ شباب تھا۔حافظ میاں محمد خان نے محلہ میں مسجد کی بنیاد رکھی اور تا دمِ آخر بطور امام مسجد خدمات سرانجام دیں۔

انجم ملک کو مطالعہ سے عشق تھا۔اردو اور فارسی میں ایم اے کرنے کے بعد یہ جفاکش شخصیت شعبہ تعلیم سے منسلک ہوگئی اور تا دمِ مرگ اسی شعبہ سے وابستہ رہی۔ایک اچھے تعلیم یافتہ پڑوسی ہونے کے ناطے ہمارے روابط ان سے بہت مضبوط تھے اور اتنی وابستگی تھی کہ اکثر لوگ راقم الحروف کو انجم ملک کا حقیقی بھائی سمجھتے رہے کیونکہ ہمارے شب و روز اکثر اکٹھے گزرتے تھے۔آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور اکثر صبح کے وقت بلند آواز میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو کانوں پر خوشگوار اثر ہوتا تھا۔آپ کے دل میں عشقِ رسولؐ اور عشقِ اولیائے کرام کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔آپ انتہائی مخلص اور دل پذیر شخصیت کے مالک تھے۔ہماری شامیں اکثر اکٹھی گزرتی اور بعض اوقات آخر شب تک یہ نشستیں جاری رہتی تھیں۔آخری شب جب وہ ہم

سے جدا ہوئے تو بھی رات 10 بجے تک میرے پاس تشریف فرما رہے۔ آدھی رات کے وقت گھر جانے کے بعد اچانک ہارٹ پرابلم ہوا۔ جس کے نتیجے میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ میرے والد کی وفات کے بعد آپ میرے بہت بڑے محسن تھے۔ آپ کا داغِ مفارقت کبھی دل سے نہ جائے گا۔ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آج تک آپ کی آواز اکثر کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

انجم ملک کو بچپن ہی سے شاعری سے عشق رہا۔ آپ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ حمد، نعت، منقبت، نظم، غزل اور تقریباً ہر میدانِ سخن میں آپ کے قلم نے اپنی جولانیاں دکھائیں مگر زندگی نے انہیں اپنا کلام شائع کرانے کی مہلت ہی نہ دی۔ آپ کے صاحب زادے محمد جاوید انجم اس ضروری فریضہ کو سرانجام دے رہے ہیں۔ خدا ان کی اس نیک کاوش پر اجرِ عظیم عطا کرے۔ آپ کی کتاب کا نام 'ماہ و انجم' تجویز ہوا جو انتہائی مناسب اور حسبِ کلام ہے۔ آپ عشقِ رسولؐ میں یوں رقمطراز ہیں:

تشنہ لب، خستہ جگر، ذہن سکوں سے خالی
ہے مرا چاک گریبان رسولِ عربی ﷺ
میں گنہ گار سہی تیرا پرستار تو ہوں
ہے تجھی سے میری پہچان رسولِ عربی ﷺ
ہو مرے پیشِ نظر گنبدِ خضریٰ انجم
اور بن جاؤں میں دربانِ رسولِ عربی ﷺ
نام لیتا ہوں ترا دل کو سکوں ملتا ہے
بگڑے بن جاتے ہیں سب کام مدینے والے

منقبت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

حرم میں جس کی پیدائش ہوئی ہے
نجف میں جس کی آسائش ہوئی ہے
ثنا اس کی مری خواہش ہوئی ہے
وہی شیرِ خدا ہے مرتضیٰؑ ہے
علیؑ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

حسینیت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

حسینؑ کے شعور نے دی موت کو بھی زندگی
حسینؑ جس کا ایک سجدہ ہے غرور آگہی
حسینؑ کے لہو نے بخشی کربلا کو تازگی

حسینؑ زندہ ہے وہ دل کہ جس پہ تیرا نام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

انجم ملک وطن کی محبت سے سرشار تھے۔ وطن کی محبت آپ کے ایمان کا جزو تھی۔ غدار وطن کے متعلق آپ کا لہجہ پر تشدد تھا اور وطن کے غداروں کو قابلِ معافی نہ سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

کیا عزائم ہیں تیرے آئندہ
فتحِ کشمیر سے ہے شرمندہ
دے کے ڈھاکہ ہے تو ابھی زندہ

پوچھتا ہے ستارۂ پرچم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

سیاست اور سیاست دانوں کی حالتِ زار سے بھی آپ مایوس نظر آتے ہیں:

انگوٹھا چھاپ، گونگے پہلوانِ سیاست ہیں
جنہیں جاگیرداری نے جنوں بخشا حکومت کا
یہاں پر کرسیاں چلتی ہیں ایوانِ سیاست میں
تماشا دیدنی ہوتا ہے ایوانِ سیاست کا
مجھے آتا ہے رونا قوم کی اس عقل و دانش پر
کہ جس نے رہزنی کو نام بخشا ہے قیادت کا

جناب انجم ملک نے کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا جس پر قلم نہ اٹھایا ہو۔ آپ کی شاعری میں جذبات کی فراوانی اور دریا کی سی روانی ہے۔ آپ کا دل منافقت سے پاک ہے۔ ان کے دل میں جو بھی جذبات ہوتے اور جس کے متعلق بھی ہوتے بلا خوف و خطر اظہار فرماتے۔

آپ کے بہت سے اشعار زبان زدِعام ہیں،مثلاً:

کچھ لوگ مر کے زندۂ جاوید ہو گئے
کچھ لوگ جی رہے ہیں مگر ہیں مرے ہوئے

کوئی تو چور اس کے بھی دل میں ضرور تھا
میں دیکھتا تھا جب اسے وہ دیکھتا نہ تھا

غزلیات میں بھی ان کا جوش وخروش،جذبات کی فراوانی اور خیالات کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے:

تڑپ تڑپ کے گزاری ہے داورِ محشر
صلیبِ خار پہ شبنم کی زندگی میں نے

یہ سوچ کر کہ ہنسی کا مآل کیا ہو گا
ہنسی تو آئی تھی مجھ کو پہ روک لی میں نے

وہ خوش نصیب ہے انجمؔ کہ جس کا دوست نہیں
جمع کیے ہیں فقط زخم دوستی میں نے

انجم ملک جیسے حقیقت پسند اور صادق جذبوں کے شاعر آج کے دور میں بہت کم ملتے ہیں۔ علمِ عروض پر انہیں مکمل دسترس تھی۔ہر شعر کو وزن کے ترازو پر تول کر لکھتے تھے۔انہیں فنِ شاعری پر ناز تھا۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔(آمین)

انور اقبال انور

صاحبِ ماہ وانجم

جس شخصیت کے نام وکام ومقام میں ماہ وانجم کا ذکر دودھ میں چینی کی طرح شامل ہو، اس کی حلاوت، کیف، لطف، لذت، سروروسواد کو الفاظ میں بیان کرنا سنگلاخ پہاڑوں سے شہد کی نہر نکالنے کے مترادف ہے۔اعتراف کے جام کو ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا گھونٹ میں عزیزم محمد جاوید انجم ملک کی شاندار کاوش اور سعادت مندی کا بھروں گا کہ اس جوانِ خوش خصال نے اپنے عظیم والد کی ادبی دنیا کی جھلک سارے زمانے کو دکھانے کا فیصلہ کمال جرأت مندی کے ساتھ کر کے ثابت کیا کہ بیٹا بے شک ایک ہو مگر قابل ہو تو کہکشاں کی طرح جگمگاتا ہے۔

غلام جیلانی انجم ملک کی شخصیت کی عظمت کے کیا کہنے کہ جن کا نامِ نامی والدین نے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سے غلام جیلانی رکھا ہو۔1938ء میں ملتان خورد تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال میں جنم لے کر یکم اکتوبر 1996ء کو بھکر شہر میں صرف 58 سال کی عمر میں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کرنے والے انجم ملک کی ہمہ صفت شخصیت کی مختلف جہتیں ہیں اور مجھے یہ لکھتے ہوئے کوئی امر مانع نہیں ہے

کہ ان کی ہر جہت ماہ و انجم کی طرح روشن روشن اور نکھری نکھری سی ہے۔ان سے مل کر چاند ستاروں کے نظاروں کی سی طمانیت، طراوت اور تازگی کا جمیل احساس من کی نگریا میں نور بن کر اتر جاتا۔

انجم ملک نے بحیثیت معلم اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کا شہرہ چہار دانگِ عالم میں خوشبو کی طرح بکھیرا اور دنیا کے سامنے ایسا منور معیار قائم کیا جو آج بھی راہِ تعلیم پر چلنے والوں کے لیے قطب نما کی حیثیت رکھتا ہے۔بطور منتظم ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اقرار کر کے ایک جہاں نے قرار پایا۔شاعر کی صورت میں جلوہ گر ہوئے تو لفظ و خیال کی ایسی محفل سجائی کہ سامعین کے قلوب جھوم جھوم اٹھے۔بطور والد اپنی اولاد کی ایسی عمدہ تربیت کی کہ اپنے فرزند ارجمند محمد جاوید انجم ملک کو اپنی چلتی پھرتی تصویر بنا دیا۔

یاروں کے یار اور دشمنوں سے بھی پیار کرنے والی یہ عظیم شخصیت عوام اور خواص احباب کی جان رہی۔ جب آپ بھکر تشریف لائے تو قیل و قال کی محفلوں کو سجا کر ادبی ماحول کو سنوار دیا۔خوش قسمتی سے ادبی حوالے سے وہ دور بھکر کی پہچان بن چکا تھا۔انہوں نے اسی پہچان کے شایانِ شان شعر و ادب کی اذان بلند کی اور پھر اپنی جداگانہ ادا کی بنا پر صاحبانِ ذوق و شوق کے دلوں میں گھر کر گئے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا نام ایک معتبر ادبی حوالہ ہے۔بلاشبہ ہر عہد کا محقق شعر و سخن کی تلاش میں انجم ملک کے کوچے میں ضرور آ نکلے گا۔آپ فنِ عروض پر دسترس رکھنے کی وجہ سے رسیلی شاعری کے خالق بن کر سامنے آئے۔

انجم ملک نے بہت لکھا اور خوب لکھا۔شعر کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی اور میدانِ شعر کے رستم بن کر ظاہر ہوئے۔آپ کا اولین شعری مجموعہ "ماہ و انجم" اسم با مسمیٰ ہے۔میرا یقین ہے کہ جب تک دامنِ کائنات ماہ و انجم سے رخشندہ ہے، وادیِ ادب میں اترنے والی اس "ماہ و انجم" کی ضیا سے انجم ملک کی شاد باد یاد محبت دلوں میں جگمگاتی رہے گی:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

پروفیسر منیر بلوچ
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بھکر

انجم ملک، شخصیت اور شاعری

انجم ملک کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب سے میں نے مشاعروں میں جانا شروع کیا۔آپ صرف ایک شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک شخصیت بھی تھے۔مشاعرے میں آپ کا رنگ باقی سب شعراء سے مختلف ہوتا اور آپ کا انداز، لب ولہجہ، اسلوب اور اشعار کو پیش کرنے کا طریقہ آپ سے ہی مخصوص تھا اور بڑے سے بڑے مسئلے کو سادہ اور شگفتہ الفاظ و انداز میں پیش کر دیتے۔

انجم ملک بنیادی طور پر نظم کو شاعر تھے اسی وجہ سے ان کی غزل کے اشعار میں بھی جگہ جگہ نظم کی سی موضوعیت اور موزونیت پائی جاتی ہے۔انہوں نے غزل میں اپنے اردگرد کے ماحول، سامنے کے موضوعات کو عام بول چال کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔

یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

جب مرتبے میں سب کے برابر تھا دوست تھا
افسر بنا تو کون تھا جس کو گلہ نہ تھا

اسی طرح خوشی اور غم کے بارے میں کہتے ہیں:

میں نے کھایا ہے خوشی سے ایسے
تیرا غم میری دوا ہو جیسے

انجم ملک ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

بھائی کا خون دوست سے پہلے ہی چوس لے
انسان اس سے پیشتر یوں سوچتا نہ تھا
آخر ملی ہے اپنے کیے کی سزا مجھے
وہ سانپ ڈس گیا ہے جو رکھا تھا پال کے

آپ دور حاضر کے انسان کے بارے میں لکھتے ہیں:

کیسے اس دور کے انسان کو انسان کہوں
جس کا ہر فعل ہی شیطان سے بدتر نکلا

اسی طرح اور بھی بے شمار موضوعات ہیں۔جن کو انہوں نے اپنے اشعار میں سمویا ہے:

کچھ لوگ مر کے زندۂ جاوید ہو گئے
کچھ لوگ جی رہے ہیں مگر ہیں مرے ہوئے
کھائی ہیں تم نے ٹھوکریں جن کی تلاش میں
انجم گزر گئے وہ تمھیں دیکھتے ہوئے

آپ غم کو زندگی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں ۔آپ کے خیال میں غم ہی ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے اسے جینا سکھاتا ہے:

غم ضروری ہے کہ یہ جینا سکھا دیتا ہے
زندگی ورنہ بہر طور گزر جاتی ہے

ان کی شاعری میں تلمیحات،تشبیہات اور استعارات کا استعمال بھی بطور خاص خوب ہوا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے اردگرد کے ماحول، معاشرے اور وطن کی صورتحال کو بھی سامنے رکھا ہے:

زردار بن رہے ہیں جو شب بھر میں بے ضمیر
قائل نہیں رہے وہ حرام و حلال کے

آرزوئیں جنم کہاں سے لیں

دل کی صورت کباب کی سی ہے

دھوپ میں غم کی جل رہا ہوں میں

گرمی یوم الحساب کی سی ہے

لیڈروں کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

جن کے ضمیر و ذہن پجاری ہیں وقت کے

کیوں کر رہیں وہ چور کو لیڈر کہے بغیر

وطنِ عزیز میں جس طرح ۱۹۴۷ء کے بعد حالات رونما ہوئے محبِ وطن لوگوں کو جس طرح پابندِ سلاسل کیا گیا اور دورِ آمریت میں جس طرح انسانوں کے ضمیروں کا سودا کیا گیا، انجم ملک کی شاعری اس قسم کے موضوعات سے بھری پڑی ہے:

محبوس مصلحت کے قفس میں ہیں بے ضمیر

ہیں باضمیر زینتِ زنداں بنے ہوئے

اپنے وطن میں اہلِ سیاست کی بزم میں

یا ہاتھ ہی قلم ہیں یا اہلِ قلم نہیں

انجم ملک کی غزلوں میں تغزل بھی ہے، قلبی وارداتیں بھی، ساقی بھی ہے اور شرابِ کہنہ بھی، غمِ عشق بھی ہے اور شوقِ دیدار بھی:

تریاقِ غمِ عشق اگر ہے تو پلا دو

جینے کی تمنا ہے مجھے جینا سکھا دو

شیشے تو تھے جدید پرانی شراب تھی

مجھ رندِ پختہ کار کو اتنا تو ہوش تھا

انجم ملک آتشِ سیال سے زیادہ اہمیت شرابِ دیدار کو دیتے ہیں:

شیشے میں تیرے آتشِ سیال گر نہیں

ساقی مری نظر سے نظر تو ملا کے دیکھ

آپ نے غزل کے علاوہ حمد، نعت، منقبت اور مختلف موضوعات پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔نعت کا یہ خوبصورت شعر ملاحظہ کیجئے:

تیرا وجود باعثِ تکوینِ کائنات

ہے کائنات جس سے حسین تیرا نام ہے

آپ کی نعت میں ادب اور تعظیم کے ساتھ ساتھ والہانہ عقیدت کا اظہار بھی ملتا ہے۔آپ عشقِ رسولؐ کو زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں اور خدا کے ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کی اتباع کو بھی لازم سمجھتے ہیں:

ذاتِ خدا سے نسبتِ مخصوص ہے تجھے

نامِ خدا جہاں ہے وہیں تیرا نام ہے

آپ نے حضرت امام حسینؓ عالی مقام کی صفات کو بھی شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

نبیؐ کے بعد عشق و عاشقی میں ایک نام ہے

حسینؓ اک پیام ہے، حسینؓ اک نظام ہے

منظومات میں آپ کے بے شمار موضوعات سیاسی، ملکی، قومی، حادثاتی اور زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق ہیں۔علاوہ ازیں آپ نے عظیم المرتبت ہستیوں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ جیسی پاک اور متبرک شخصیات پر مناقب بھی لکھے۔انہوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ، علامہ محمد اقبالؒ اور قومی حوالے سے بے شمار نظمیں لکھ کر وطن دوستی کا ثبوت دیا ہے۔

انجم ملک کا نام ادب میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔جب بھی تاریخ مرتب کی جائے گی، محققین انجم ملک کو ضرور یاد رکھیں گے۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر

انجم شماری

جب زمین پیاسی ہوتی ہے تو رب السموات والارض پانی برساتا ہے۔ جب انسان غذا کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے تو وہ موسم ربیع کو بھیج دیتا ہے اور جب کسی علاقے سے جہالت کی تیرگی دور کرنی ہو تو وہاں ایسا معلم بھیجتا ہے جس کی لیاقت کی گواہی درودیوار بھی دیتے ہیں اور اس کی شہرت کے چرچے زبان زدعام ہو جاتے ہیں۔

غلام جیلانی انجم ملک کو ایک عظیم فلسفی، اعلیٰ مبصر، بلند پایہ شاعر اور معلم ممدوح کے نام سے معنون کیا گیا۔ آج بھی قلوب تلامذہ میں آپ سے والہانہ محبت پنہاں ہے۔ میں پردۂ افکار پر جب ادبی افق کے تابندہ ستاروں کو دیکھتا ہوں تو جناب غلام جیلانی انجم ملک کا مسکراتا چہرہ مجھے طمانیت بخشتا ہے۔ آپ کے پاس وہ کلید محبت تھی جو دلوں کے دروازے کھولنے کے راز سے واقف رہی۔ طلباء آپ سے اس طرح استفادہ کرتے رہے جیسے پیاسا کھیت بارش کے قطروں سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ آپ کا شیشۂ دل ہر قسم کی گرد و ریا سے پاک تھا۔ ہمیشہ طلبا کو وطنِ عزیز سے محبت کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کی شاعری میں وطن سے محبت کا عنصر ملاحظہ ہو:

ملک میں ہے کیا کوئی ایسا سیاسی ڈاکٹر
آپریشن سے جو میرا ٹوٹا بازو جوڑ دے

انجم ملک بے حد خلیق و ملنسار شخصیت کے مالک تھے، بیک وقت شاعر بھی تھے اور ناسخ بھی، واعظ بھی تھے اور معلم بھی۔ آپ کی شاعری اخلاقیات کا بہترین نمونہ محسوس ہوتی ہے:

نیکوں کے ساتھ کرتے ہیں نیکی تمام لوگ
انجم ہے اصل نیکی برے آدمی کے ساتھ

کرو علم حاصل کرو خوب محنت

خدا پاک ڈالے کا محنت میں برکت

بجا حکم استاد کا لاؤ گے تم

تو دنیا میں رتبہ الگ پاؤ گے تم

کسی چیز یا حالت کو اس انداز سے بیان کرنا کہ شے یا حالت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آنے لگے محاکات کہلاتی ہے۔آپ عشق و محبت کے جذبات کا نقشہ اس انداز سے کھینچتے ہیں کہ احساسات کی تتلیوں کے پر میلے نہیں ہونے دیتے۔آپ کی ژرف نگاہی ملاحظہ ہو:

غم ضروری ہے کہ یہ جینا سکھا دیتا ہے

زندگی ورنہ بہر طور گزر جاتی ہے

تیرے بغیر ہو گئی بے کیف زندگی

پل پل لگے ہیں دوست مجھے سال سال کے

گو دور ہجر کشمکشِ مرگ و زیست تھا

رکھی ہے تیرے غم کی امانت سنبھال کے

انجم ملک کی شاعری میں معاملہ بندی کا انداز بڑا دلکش ہے:

وا چشمِ انتظار ہے لب ہیں سلے ہوئے

میں سہہ رہا ہوں دوست ترے غم دیے ہوئے

اک سجدۂ خلوص سے میں پر امید ہوں

زاہد تیری طویل عبادت میں کچھ نہیں

جو پھول دلفریب ہیں خوشبو سے پاک ہیں

سیرت کی ہے تلاش تو صورت میں کچھ نہیں

آپ کی شاعری خیالات وعزائم کے جہان کو نکھار دیتی ہے اور آپ احساس کے تاروں کو ہلا کر جذبات میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں:

تم چراغ وفا جلا کے رکھو

لوگ جیسے بھی تم سے ملتے ہیں

دھوپ سائے کے ساتھ رہتی ہے
پھول کانٹوں کے ساتھ کھلتے ہیں

انجم ملک کی شاعری میں سادگی، سوز و گداز، تلمیحات، تشبیہات، استعارات، محاورات کا استعمال اور صنائع بدائع لفظی پر زور دیا گیا ہے۔ اس طرح مضمون آفرینی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے:

کہتے ہیں حُسن، حُسنِ تناسب کا نام ہے
سرخ و سفید مٹی کی مورت میں کچھ نہیں
ہے کائنات عشق و محبت کا معجزہ
کیا تاج محل عشق و محبت میں کچھ نہیں
آخر ملی ہے اپنے کیے کی سزا مجھے
وہ سانپ ڈس گیا ہے جو رکھا تھا پال کے

انجم ملک نظم و ضبط کے حوالے سے اتنی مضبوط شخصیت کے مالک تھے کہ موسموں، ہواؤں اور زمانے کے جبر کبھی ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔ آپ اپنے عزم سے اپنی راہ نکالتے تھے۔ فکر کی مسلسل تازگی کے ساتھ وہ عزمِ بالجزم کے مالک تھے اور اشعار میں بھی اس رنگ کی جھلک نظر آتی ہے:

ہفت آسماں کا بوجھ ہے کہ لگا تجھے
دردِ شبِ فراق کا پتھر اٹھا کے دیکھ

انجم ملک حمد، نعت، منقبت اور دیگر اصنافِ سخن پر گہری دسترس رکھتے تھے فرماتے ہیں:

میں گنہ گار سہی تیرا پرستار تو ہوں
ہے تجھی سے میری پہچان رسولِ عربیؐ
صدیقؓ کی نگاہ میں کیا کچھ نہیں ہے تو
بوجہل کی نظر میں امیں تیرا نام ہے

حرفِ آخر! انجم ملک کے مقام اور رتبے کے تعین کا معاملہ میرے بس کی بات نہیں۔ آپ کی بصیرت، علم و آگہی اور سیرت و کردار کو الفاظ میں مقید کرنا گویا انجم شماری کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر محمد اکرم عزیز مرزا
پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (ایجوکیشن)

کوکبِ تھل

مجھے ہرگز یہ دعویٰ تو نہیں ہے کہ میرا غلام جیلانی انجم ملک کے ساتھ گہرا دوستانہ تھا یا میں نے بار ہا ان کی محافل میں شرکت کی' البتہ ان سے ہائی سکول کے ادبی مقابلہ جات میں لاتعداد ملاقاتیں ہوئیں اور ان کے پراثر کلام کو سننے کا موقع بھی ملا۔ مجھے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ میں نے ان کے برادر خرد ملک سلیم اختر کے ساتھ ایک ہی جگہ ملازمت کے چند سال اکٹھے گزارے اور آپ کے اکلوتے بیٹے محمد جاوید انجم میرے ہونہار شاگردوں میں سے ہیں۔ اس طرح میرا اس خاندان سے دیرینہ تعلق چلا آ رہا ہے۔

پچھلے دنوں اچانک محمد جاوید انجم آپ کا مجموعہ کلام "ماہ و انجم" کا مسودہ لے کر میرے پاس آئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس پر نظر ثانی کروں اور اپنی رائے بھی دوں۔ میں ہرگز اس قابل نہیں کہ کسی بلند پایہ شاعر کے کلام پر تبصرہ کروں۔ اپنی دانست میں اردو زبان و ادب کا صرف اور صرف قاری ہوں اور پھر جن کے کلام پر محترم عباس خان، عارف بخاری، انور اقبال انور، پروفیسر منیر بلوچ، ڈاکٹر محمد اشرف کمال اور ڈاکٹر محمد اکرم عزیز مرزا جیسی قد آور شخصیات کی دقیع آراء موجود ہوں وہاں میری حیثیت ہی کیا ہے! ان معروضات کو کسر نفسی پر محمول نہ کیا جائے۔ بہر کیف میں اپنے عزیز محمد جاوید انجم کے اصرار اور دل جوئی کی خاطر مختصراً اپنے محسوسات قلم بند کر رہا ہوں۔

زیرِ نظر مجموعہ ''ماہ و انجم'' معروف اصنافِ سخن حمد، نعت، مناقب، غزلیات اور رباعیات وقطعات سے مزیّن ہے۔ میں اسے جوں جوں پڑھتا گیا حیرانگی اور استعجاب میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لیے کہ ایسا کارِ ادب اہلِ ذوق کی آنکھوں سے اب تک کیوں اوجھل رہا! شاعری وہ ہے جو زندگی کے عمومی مسائل پر بحث کرے، ان کو اجاگر کرے، بزرگوں کو تفریح اور جوانوں کے جذبات کو مہمیز دے کر عمل کی طرف راغب کرے، ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرے، جینے کا سلیقہ سکھائے اور فن و خیال کا حسین مرکب ہو۔

اقبالؔ ایسی شاعری کو 'جوئے سرود آفریں' کی مانند قرار دیتے ہیں جو ہر پست و بلند کھیتی کو سیراب کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

انجم ملک کا کلام ان سب خوبیوں کا حسین مرقّع ہے۔ اس مجموعۂ کلام کا آغاز جس حمدیہ شعر سے کیا گیا ہے وہ بے مثال ہے۔ اس پر جتنا غور و فکر کیا جائے نئے نئے فلسفیانہ معانی و مفاہیم وسعت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور بے ساختہ واہ! واہ! اور واہ! کا ورد جاری ہو جاتا ہے:

لامکاں تو ہے تو بے سود ہے کعبے کا سفر
کوئی درماندہ جو پہنچے تو کہاں تک پہنچے

آپ کا کلام مشکل گوئی، تصنّع اور بناوٹ سے یکسر پاک ہے۔ انہوں نے آورد کی بجائے عطیۂ الٰہی سے کام لیتے ہوئے شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کر دیا...... طوالت سے گریز کرتے ہوئے ان کی منتخب غزلیات سے مطالع پیش کیے جاتے ہیں:

شکلِ لالہ گلاب کی سی ہے
بوئے لالہ سراب کی سی ہے
تریاقِ غمِ عشق اگر ہے تو پلا دو
جینے کی تمنا ہے مجھے جینا سکھا دو
تیرا ہر حرف زباں طنز کا نشتر نکلا
میں تو ہر بار تری بزم سے ڈر کر نکلا
آتے ہیں خواب گیسو و رخسار و خال کے

شام و سحر اسیر ہیں تیرے خیال کے
پھول رخسار کو آنکھوں کو کنول کہتے ہیں
ہم تو دیوانے ہیں ہم ایسی غزل کہتے ہیں
لاشہ غم اپنے کندھے پہ اٹھا سکتا ہوں میں
دل میں زخموں کا چمن ہے مسکرا سکتا ہوں میں

وہ عموماً جذب و مستی کی حالت میں اپنا کلام سناتے جس سے محفل پر سکوت طاری ہو جاتا اور ان کی مترنم اور پرسوز آواز کانوں میں رس گھول دیتی۔ یہ لکھتے وقت ان کا عاجزانہ سراپا میرے سامنے آگیا ہے اور میں انہیں چشمِ تصور میں گنگناتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

وہ بہت سادہ دل، سادہ اطوار، سادہ لباس، ملنسار، مرنجاں مرنج، حلیم الطبع، شیریں مقال اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے۔ میں یہ باتیں ہرگز مروّت میں نہیں لکھ رہا............وہ ایسے ہی تھے۔ انہوں نے جنم تو کسی اور مٹی میں لیا لیکن جس طرح انہوں نے تھل کے مرکز بھکر کو اپنا بنایا وہ ''کوکبِ تھل'' کہلانے کے حقیقی مستحق ہیں۔ وہ حقیقی شاعر تھے۔ ان کا کلام بلاشبہ ایک ایسی یادگار ہے جو انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ سچ ہے جن کا کام زندہ......ان کا نام زندہ۔

میں اپنے روحانی بیٹے محمد جاوید انجم کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے والد کے کلام کو ترتیب دیا اور انہیں ان کے اس شعر کے مصداق زندہ کر دیا..................

کچھ لوگ مر کے زندۂ جاوید ہو گئے
کچھ لوگ جی رہے ہیں مگر ہیں مرے ہوئے

پروفیسر فلک شیر لیل

لامکاں تو ہے تو بے سود ہے کعبے کا سفر
کوئی درماندہ جو پہنچے تو کہاں تک پہنچے

حمد باری تعالیٰ

حُسن پردوں میں ازل سے مُنتظر مستور تھا
مرحلہ تخلیقِ آدم کا ابھی تک دور تھا
خالقِ کل کا نہ جانے کیا ابھی منشور تھا
کچھ نہ تھا حق کے سوا اور حق کو سو منظور تھا

پہلے پیدا حُسنِ خودبیں نے کیا عشقِ رسولؐ
پھر فروغِ عشق یعنی تابشِ درِ بتولؑ

کر دیا آغاز حق نے اپنی تخلیقات کا
علم و دانش کو بنایا حُسن کائنات کا
علم پردہ بن گیا صدق و صفا کی ذات کا
جرأت و شرم و حیا کو ناز تھا حق بات کا

پنجہ زن تھا کربلا میں عشق سے جب اقتدار
حق کے لب پر مسکراہٹ اور ملائک شرمسار

نعت رسولِ مقبول ﷺ

تو مرا قبلہء ایمان رسولِ عربیؐ
تجھ پہ قربان مری جان رسولِ عربیؐ

تو نے انسان کو انسان بنایا آقاؐ
تیرا انساں پہ ہے احسان رسولِ عربیؐ

ہے تری ذات کہ تخلیق کا عنواں کہیے
تجھ سے حق کا ہوا عرفان رسولِ عربیؐ

کون مہمان سرِ عرش ہوا تھا آقاؐ
اللہ اللہ تری شان رسولِ عربیؐ

ہیں وہ خوش بخت جو کرتے ہیں تلاوت اس کی
مصحفِ رخ تو ہے قرآن رسولِ عربیؐ

تیرا پیغام سکوں بخش ہے رحمت رحمت
ہے شریعت ترا فرمان رسولِ عربیؐ

ہیں منور دلِ اربابِ تصوف تجھ سے
ہے تو ہی منبعِ عرفان رسولِ عربیؐ

تشنہ لب، خستہ جگر، ذہن سکوں سے خالی
ہے مرا چاک گریبان رسولِ عربیؐ

میں گنہ گار سہی تیرا پرستار تو ہوں ہے تجھی سے میری پہچان رسولِ عربیؐ

فخر سجدوں کا نہ کچھ نازِ عمل ہے مجھ کو میں ہوں وہ بے سروسامان رسولِ عربیؐ

مخملیں پلکیں بچھا رکھی ہیں کب سے آقاؐ بن بھی جائیں کبھی مہمان رسولِ عربیؐ

حق نے خود سونپ دیا رازِ حقیقت تجھ کو کیا تری شان ہے سبحان رسولِ عربیؐ

آپؐ کے اسمِ گرامی سے سکوں ملتا ہے دل جو ہوتا ہے پریشان رسولِ عربیؐ

مشکلیں آپؐ سے دنیا کی ہوئی ہیں آساں میری مشکل بھی ہو آسان رسولِ عربیؐ

ہو مرے پیشِ نظر گنبدِ خضریٰ انجمؔ
اور بن جاؤں میں دربانِ رسولِ عربیؐ

نعت رسولِ مقبول ﷺ

کیسا جمیل کتنا حسیں تیرا نام ہے ۔۔۔ ملتا ہے جس سے دل کو یقیں تیرا نام ہے

ہے عرش جس سے عرشِ بریں تیرا نام ہے ۔۔۔ کرتی ہے ناز جس پہ زمیں تیرا نام ہے

تیرا وجود باعثِ تکوینِ کائنات ۔۔۔ ہے کائنات جس سے حسیں تیرا نام ہے

مہتاب و آفتاب ترا عکسِ حُسن ہیں ۔۔۔ لوح و قلم میں ہے جو نگیں تیرا نام ہے

صدیقؓ کی نگاہ میں کیا کچھ نہیں ہے تو ۔۔۔ بوجہل کی نظر میں امیں تیرا نام ہے

منزل ہے تیری عرشِ بریں سدرہ رہگزر ۔۔۔ نوری لقب ہے عرش نشیں تیرا نام ہے

یہ ماہ و مہر ہوتے ہیں اکثر طلوع غروب ۔۔۔ سب جانتے ہیں ماہ جبیں تیرا نام ہے

ذاتِ خدا سے نسبتِ مخصوص ہے تجھے ۔۔۔ نامِ خدا جہاں ہے وہیں تیرا نام ہے

انجم ملک پہ چشمِ عنایت ہو یا نبیؐ

ہے تیرے ہجر میں جو حزیں تیرا نام ہے

نعت رسولِ مقبول ﷺ

دل میں تو لب پہ ترا نام مدینے والے
یونہی ہوتی ہے سحر، شام مدینے والے

جو تمنا لیے سائل ترے در پر پہنچا
تیرے اکرام ہوئے عام مدینے والے

میں جو اک بار ترا مصحفِ قرآں دیکھوں
نعت کوئی ہو مرا کام مدینے والے

ہو نظر سیر، دل و ذہن منور کر دے
تو سخی صاحبِ انعام مدینے والے

جس نے انسان کو ایمان کی دولت بخشی
ہے وہ اعلیٰ ترا پیغام مدینے والے

بے عمل قوم کی تقدیر بدل دو آقاؐ
تیز ہے گردشِ ایام مدینے والے

چار سو پھیل گیا ہے ترا پیغامِ حرا
اب ہے اسلام ہی اسلام مدینے والے

نام لیتا ہوں ترا دل کو سکوں ملتا ہے
بگڑے بن جاتے ہیں سب کام مدینے والے

نعت رسولِ مقبول ﷺ

ممکن نہیں سکون جہانِ خراب میں
اے دل! چلو حضورِ رسالت مآبؐ میں

کو صد ہزار جرم کیے ہیں شباب میں
نیندیں حرام ہو گئیں شوقِ شراب میں

میں اُس کا امتی ہوں مجھے کوئی غم نہیں
'لا تقنطوا' لکھا ہے خدا کی کتاب میں

تخلیقِ کائنات کا مقصد ترا ظہور
آیا ہے تیری شان میں ام الکتاب میں

جن و بشر کے لب پہ صلوٰۃ و سلام ہے
شامل خدائے پاک ہے کارِ ثواب میں

باطل چھپا یوں شمعِ نبوت کے سامنے
جیسے طلوعِ مہر پہ ظلمت حجاب میں

ہے شہر شہر تیری ولادت کا جشن آج
چودہ طبق ہیں نجم و قمر آفتاب میں

انجم بصد خلوص و ادب پیش کار ہیں
صد بار صد سلام تمہاری جناب میں

نعت رسولِ مقبول ﷺ

شافعِ محشرؐ، نورِ مُجسّم صلی اللہ علیہ وسلم / ہادیٔ برحقؐ، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ سے روشن ارض وسما ہیں، آپؐ کی خوشبو گلشن گلشن / آپؐ کی رحمت عالم عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ ہوئے تخلیق کا مقصد، نورِ ہدایت، نورِ نبوت / عرش وفرش پہ آپؐ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

تیرا تعلق انساں سے بھی، تیرا تعلق رحمٰں سے بھی / تیرا ربط ہے ربطِ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

شمعِ نبوت جب ہوئی روشن نور کی کرنیں ہر سو پھیلیں / کفر وظلمت ہو گئے مدھم صلی اللہ علیہ وسلم

تیری نظر ہے درد کا درماں تیرا اشارہ لطف کا ساماں / تیرا تبسم زخم پہ مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

کس نے کہا کہ سایہ نہیں ہے آپؐ کا کس پر سایہ نہیں ہے / میں نے تو دیکھا عالم عالم صلی اللہ علیہ وسلم

دل ہے تیرے ہجر میں زخمی اور جگر ہے پارہ پارہ / زخمِ قلب وجگر کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

خواہش ہے تو ہے یہی آقاؐ فرطِ کرم سے چشمِ انجم

شام وسحر ہو پرنم پرنم صلی اللہ علیہ وسلم

باغِ رسالت

نورِ خدا ہے شمعِ رسالت مآبؐ میں　　مرقوم تیری شان ہے ام الکتاب میں

افلاک پاک ہو گئے نعلینِ پاک سے　　کیا پوچھتے ہو ساقیٔ کوثر کے باب میں

ام الکتاب جس کا قصیدہ ہے دوستو　　ہم کیا رقم طراز ہوں پھر اس کے باب میں

صدیقؓ تیرے سر پہ صداقت کا تاج ہے　　سمٹا ہے بحرِ علم دلِ بوترابؓ میں

عثمانؓ کو مل گیا ہے ذوالنورین کا لقب　　پہنچے جو بارگاہِ رسالت مآب میں

رقصاں قلم ہے مدحِ عمر بن خطابؓ میں　　دو لمحے میرے زیست کے گزرے ثواب میں

جس کے لیے کہ دستِ رسالت پنہ اٹھے　　آخر وہ بات پائی عمر بن خطابؓ میں

جو درس تو نے عدل و مساوات کا دیا　　اغیار کی زبان بھی بند اس کے باب میں

سورج بھی تیرے جسمِ غضب سے لرز گیا　　وہ آب و تاب رہ نہ سکی آفتاب میں

انجمؔ عبث ہے باغِ رسالت پہ تبصرہ
خوشبو ہے پتیوں میں وہی جو گلاب میں

نورِ احمدؐ

گل و میزان و خوشبو و سمندر
چراغ و مسجد و محراب و منبر
ہر اک میں نورِ احمدؐ کی ضیاء ہے
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ

ہے خبر تریاق ہے آغوشِ یارِ غار میں　　پاؤں کیوں اس کا رکاوٹ ہے مرے دیدار میں
مار ہوں لیکن ہوں دیوانہ نبیؐ کے عشق میں　　ان کو بھی لذت ملے گی آج نیشِ مار میں
جن کے ہوں داماد پیغمبرؐ یہ رتبہ کم نہیں　　بیٹھتے تھے ساتھ ان کے یہ بھرے دربار میں
ہے دعا انجم غلامی میں رہوں میں آپؓ کی　　جس طرح تھے آپؓ دربارِ شہِ ابرارؐ میں

ذکرِ یارِ غار سے بڑھ کر بھلا چاہوں میں کیا
ذکر یہ ہے بے بہا انجم مرے اذکار میں

حضرت عمر بن خطابؓ

ہے کفر جس سے لرزہ بر اندام وہ عمرؓ
جس کا وجود عظمتِ اسلام وہ عمرؓ

آیا نہ جس کے بعد مدینے میں زلزلہ
بھیجا ہے جس نے نیل کو پیغام وہ عمرؓ

بہرِ اصول جس کا غلام اونٹ پر سوار
خود ہے پیادہ پا جو سوئے شام وہ عمرؓ

تسکینِ کائنات ہے جس ذات کے لیے
اس رحمتِ تمام کا انعام وہ عمرؓ

ہے معدلت فروش پہ دورِ عمرؓ گریز
فرعون جو ہے تو بھی دورِ عمرؓ فروش

شمشیر بے نیام حمائل گلے میں ہے
مقتولِ سیفِ خلقِ محمدؐ کا دیکھ جوش

چالیس اک طرف تو عرب سارا اک طرف
کعبہ میں دیکھ عشقِ محمدؐ اذاں بگوش

مرغِ حرم تھا میں ہی جو لاہوت سے چلا
ازموں کے جال میں، میں یہاں پر برا پھنسا

ان معدلت فروش یزیدوں کی لے خبر
یا پھر کسی حُسینؓ کو تو سامنے لے آ

تو اس کے باوجود بھی خاموش ہے اگر
اس دورِ بے ضمیر سے یارب مجھے اٹھا

میری تلاش عمرؓ ہے، عمرؓ میری جستجو
موضوع مرا عمرؓ تھا کدھر میں نکل چلا

جو زندگی میں حلقہ بگوشِ رسولؐ تھے
سوئے ہوئے ہیں ساتھ ہی وہ زندگی کے بعد

ایماں ہے میرا ختمِ نبوت پہ ہے یقین
انجم عمرؓ نبی تھے وگرنہ نبیؐ کے بعد

حضرت عثمان غنیؓ

شمس و قمر اداس فضا سوگوار ہے — کیا بات ہے کہ دامنِ شب تار تار ہے

سنبل ہے تار تار تو لالہ ہے داغ داغ — نرگس ہے اشک بار کہ گل خار خار ہے

گم تھا میں سوچ میں کہ صبا نے کیا سوال — کیوں چپ مدینہ شہر نہ کچھ کاروبار ہے

اتنے میں مجھ کو ہاتفِ غیبی نے دی صدا — عثمانؓ کے گھر پہ عرصۂ محشر نثار ہے

امت ہے مست خونِ صحابہؓ کے کھیل میں — امت ہے، خانوادۂ نبیؐ کا شکار ہے

اٹھی مری نگاہ تو آکاش پر پڑی — دیکھا کہ عکسِ خوں سے فلک لالہ زار ہے

سوچا بپا قیامتِ صغریٰ تو ہے مگر — کیا نائلہ کا آج کوئی غم گسار ہے

چشمِ افق میں بھی ہے شفق کا لہو مگر کیا نائلہ کی طرح فلک اشکبار ہے

جاری ہوا زباں پہ صحابہؓ کی یاد سے مومن وہی ہے جس کو صحابہؓ سے پیار ہے

عاشق ہوں یارِ غار کا فخرِ عمرؓ مجھے عثمانؓ باحیا پہ مرا دل نثار ہے

مرعوب یوں ہوں علمِ علیؓ سے میں جس طرح نعلینِ شہنشاہِ عربؐ سے غبار ہے

واحد خدا کی ذات ہے باقی ہیں یار چار افضل تریں صحابہؓ کی تعداد چار ہے

دل میں ہیں اہلِ بیتؓ، صحابہؓ دماغ میں میرے دل و دماغ کو صبر و قرار ہے

اصحاب مہر و ماہِ ہدایت ہیں سر بسر ذرہ اس آستاں کا ہمالہ وقار ہے

عثمانؓ! تاجِ نورِ رسالتؐ ہے تیرے سر تو بھی تو تاجداروں میں اک تاجدار ہے

کانِ حیا کہوں کہ جمالِ حیا تجھے لہٰذا حیا بھی آپؓ سے تو شرمسار ہے

قاری کہوں کہ جامعِ قرآں تجھے لکھوں تجھ کو یہ فخر ہے کہ تو اس پہ نثار ہے

قرآن خود شہادتِ عثمانؓ پہ گواہ قرآن پر شہادتِ عثمانؓ کا بار ہے

عثمانؓ کے خوں سے گیسوئے قرآن تابدار عثمانؓ کے خوں سے حاشیہ نقش و نگار ہے

انجمؔ ثنائے شہؓ میں قلم سرنگوں نہیں

اس پہ غرورِ مدحتِ عثمانؓ سوار ہے

حضرت علیؓ

علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے
نبیؐ کی نعت، حمدِ کبریا ہے

حرم میں جس کی پیدائش ہوئی ہے
نجف میں جس کی آسائش ہوئی ہے
ثنا اس کی مری خواہش ہوئی ہے
وہی شیرِ خدا ہے مرتضیٰؓ ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

علیؓ ہی انتخاب مصطفیٰؐ ہے
وہی محبوب، محبوب خدا ہے
وہی تو معنیٔ لفظِ بقا ہے
اسی کی مدح میرا مدعا ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

علیؓ کے نام سے واقف زمانہ
حقیقت ہے علیؓ دنیا فسانہ
علیؓ ہے علم و دانش کا خزانہ
ہر اک دکھ کی دوا شیرِ خدا ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

کئے تقسیم تحفے مصطفیٰؐ سے
علیؓ کو علم کا مژدہ خدا سے
صلہ جس کو ملا ہے مصطفیٰؐ سے
علیؓ علم و عمل کا ارتقاء ہے
علیؓ کاعشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی کے ریشہ و معنی میں نم ہے
نبوت کی نظر ابرِ کرم ہے
ولایت کا چمن مہکا ہوا ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

کبھی جلوہ فروزِ انجمن ہے
سرِ لشکر کبھی خیبر شکن ہے
حرم میں دوش پر جلوہ فگن ہے
علیؓ خورشید کو شرما رہا ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

علیؓ کی ذات ہے کانِ فضیلت
علیؓ پر نازاں ہیں علم و شجاعت
علیؓ سے ہے مجھے انجم عقیدت
علیؓ مولا، علیؓ مشکل کشا ہے
علیؓ کا عشق، عشقِ مصطفیٰؐ ہے

حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

نبیؐ کے بعد عشق و عاشقی میں ایک نام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

حسینؑ تیغ لا تذر حسینؑ بانگِ لا تخف
حسینؑ دُرِ بے بہا اگر بتولؑ ہے صدف
حسینؑ تیری پشت پر شبہہِ مدینہ و نجف
ترے رکوع، سجود اور قیام کو دوام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

یزیدیت بہیمیت، یزیدیت ہے تیرگی
یزیدیت ہی بھوک ہے یزیدیت ہے تشنگی
حسینیت تو نور ہے، حسینؑ ایک روشنی
کٹے سروں جلے خیام میں کھڑا امام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

حسینؑ ازل کی روشنی، یزید ایک خواب ہے
یزید کے سوالِ بے محل کا اک جواب ہے
یزید ایک باب ہے حسینؑ اک کتاب ہے
یہ قاریٔ کتاب خود خدا سے ہم کلام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

حسینؑ کربلا کے امتحاں میں کامیاب ہے
جو نازشِ رسولؐ ہے غرورِ بوترابؑ ہے
حسینؑ کے لبوں پہ صرف حرفِ انقلاب ہے
حسینؑ تیری ذات پر صلوٰۃ ہے سلام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

یزیدیت غرور ہے حسینیت نیاز ہے
حسینؑ مدعائے کام گار و سرفراز ہے
حسینؑ کے نیاز میں نبیؐ کا عز و ناز ہے
رسومِ عشق و عاشقی حسینؑ پر تمام ہے
حسینؑ اک پیام ہے، حسینؑ اک نظام ہے

حُسینؑ کے شعور نے دی موت کو بھی زندگی
حُسینؑ جس کا ایک سجدہ ہے غرورِ آگہی
حُسینؑ کے لہو نے بخشی کربلا کو تازگی
حُسینؑ زندہ ہے وہ دل کہ جس پہ تیرا نام ہے
حُسینؑ اک پیام ہے، حُسینؑ اک نظام ہے

ترے عمل سے بڑھ گئی ہیں دینِ حق کی عظمتیں
ترے لہو سے جل اٹھی ہیں گام گام مشعلیں
ترے ہی ذکر پاک سے ہیں محفلوں کی رونقیں
ترا بڑا مقام ہے ترا وہ احترام ہے
حُسینؑ اک پیام ہے، حُسینؑ اک نظام ہے

ترے لہو نے کربلا کو لالہ زار کر دیا
ترے عمل نے راہِ حق کو استوار کر دیا
ترے کرم نے شاعروں کو باوقار کر دیا
تری ثناء سے انجمؔ حزیں ابو الکلام ہے
حُسینؑ اک پیام ہے حُسینؑ اک نظام ہے

حُسینؑ حُسینؑ

دو طاقتیں سرِ کرب و بلا حُسینؑ حُسینؑ
یزید لا ہے تو اِلّا مرا حُسینؑ حُسینؑ

تمہارے اکبرؑ و اصغرؑ کے ساتھ تھے قاسمؑ
سجایا خون سے دولہا بھی کیا حُسینؑ حُسینؑ

ہیں پیش عونؑ و محمدؑ کہا یہ زینبؑ نے
قبول کیجیے تحفہ مرا حُسینؑ حُسینؑ

پڑے ہیں بازوئے عباسؑ انہیں سنبھال حُسینؑ
ادھر ہے لاشۂ اکبرؑ اٹھا حُسینؑ حُسینؑ

لبوں سے خاک اٹھائی ہے شہنشاہوں نے
جہاں جہاں تھا ترا نقشِ پا حُسینؑ حُسینؑ

کسی کا کچھ بھی نہ لگتا تھا کربلا میں حُسینؑ
ہر ایک کہتا ہے پھرتا مرا حُسینؑ حُسینؑ

ہزار لعنتِ دنیا و دیں بنامِ یزید
زبانِ جن و بشر پر سُنا حُسینؑ حُسینؑ

یہ کربلائے معلیٰ تجلیٔ انوار　　جوابِ زاہرِ مولا مرا حُسینؑ حُسینؑ

یہ کس شہید نے بنوائی کہکشاں کہیے　　پکار اٹھے سب ارض و سما حُسینؑ حُسینؑ

یہ بات کیا کوئی لیتا نہیں ہے نامِ یزید　　وہ آرہی ہے دما دم صدا حُسینؑ حُسینؑ

نجف نگاہ میں ہے تو مدینہ دل میں ہے　　کیوں کاندھالاشوں سے تھکتا تراُ حسینؑ حُسینؑ

لبِ فرات رہا تشنہ لب حُسینؑ درست　　پکارتا تھا وہ کوثرِ بقا حُسینؑ حُسینؑ

غریب نظمِ یزیدی سے تنگ ہیں انجمؔ

انہیں کے لب پہ ہے نعرہ ترا حُسینؑ حُسینؑ

حُسینیت

جاں دے کے دیں بچانا سکھایا حُسینؓ نے — سر کو نہیں جھکایا، کٹایا حُسینؓ نے

کچھ اس طرح مقامِ شہادت کیا بلند — سرمست عاشقوں کو بنایا حُسینؓ نے

سجدہ کیا وہ آخری خنجر کے سائے میں — سجدے کو یادگار بنایا حُسینؓ نے

کندہ جبینِ وقت پہ نام حُسینیت — لفظِ یزیدیت کو مٹایا حُسینؓ نے

اک داستاں کے نام سے زندہ ہے کربلا — اس سر زمیں کو ایسا بسایا حُسینؓ نے

محتاجِ عزم ہے حق و باطل کا معرکہ — تعداد کا سوال بھلایا حُسینؓ نے

ہرگز نہ لڑکھڑائے اکبرؑ دفعہ حُسینؓ — خوں اپنا کربلا میں ملایا حُسینؓ نے

لرزا دیا ہے تخت کو انجمؔ حُسینؓ نے
جھکتا نہ تھا جو سر وہ کٹایا حُسینؓ نے

قائدِ اعظمؒ

جب بھی آیا نظر مجھے پرچم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

کون قائد؟ وفا کا متوالا
جس کا مقصد تھا ارفع و اعلیٰ
حریت کا بتا دیا معنیٰ
اس کو حاصل ہے شہرتِ عالم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

میرے قائد کی فکر اور تدبیر
کاٹی جس نے غلامی کی زنجیر
اور بدل دی ہے قوم کی تقدیر
کر دیا یوں بلند تر پرچم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

پاک پرچم کے سیم تن پہ ہلال
کر رہا ہے یہ حاکموں سے سوال
نظمِ اسلام پر یہ قیل و قال

کھا نہ جائے مجھے تمہارا غم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

کیا عزائم ہیں تیرے آئندہ
فتحِ کشمیر سے ہے شرمندہ
دے کے ڈھاکہ ہے تو ابھی زندہ

پوچھتا ہے ستارۂ پرچم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

دینِ اسلام نام الفت کا
اور تثلیث و دوئی نفرت کا
درس دیتے رہو اخوت کا

ہوں بہم کیسے شعلہ و شبنم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

دل ہے انجمؔ اگر ترا زندہ
عزمِ نو سے ہے سینہ تابندہ
ملک و ملت رہیں گے پائندہ

حریت کا بلند رکھ پرچم
یاد آئے ہیں قائدِ اعظمؒ

محمد علی جناحؒ

اے عظیم انساں مفکر اے وفا پرور جناحؒ
اے حکیمِ مرضِ ملت قوم کے سرور جناحؒ
اے نقیبِ دولتِ آزادئ خاور جناحؒ
عقل کے پتلے تمہیں ہو اے کرم گستر جناحؒ
تیرا دم ہے جس نے بدلا قوم کی تقدیر کو
کر دیا پامال یوں دشمن کی ہر تدبیر کو

تیری الفت کی نشانی یومِ آزادی ہمیں
زیست تیری کی کہانی یومِ آزادی ہمیں
تیری بخشش جاودانی یومِ آزادی ہمیں
تاجور کو حکمرانی یومِ آزادی ہمیں
قوم کو پیغامِ یکجہتی و تعمیرِ وطن
اور نہ دی افرنگ کے ہاتھوں میں تقدیرِ وطن

قحطِ قیادت

دیا تھا درس تو نے قوم کو تنظیم و طاقت کا
مگر بکھرا ہوا ہے کس طرح شیرازہ ملت کا

بہت احسان ہے یہ قوم پر بابائے ملت کا
رہا ہے ملک میں فقدان مگر قومی قیادت کا

یہ نہرو اور گاندھی کیا، یہ ہٹلر اور چرچل کیا
تجھی کو مانتے ہیں مرکزی نقطہ قیادت کا

سیاست دان لوٹے ہیں تو لیڈر چور لٹوں کے
جہاں چوری سیاست ہے خدا حافظ ہے ملت کا

شرافت منہ چھپاتی ہے، ذہانت روتی پھرتی ہے
قیادت غنڈہ گردی ہے جو ہے اظہار دولت کا

کلرکی کے لیے تو قابلیت کی ضرورت ہے
قیادت کے لیے کیوں تذکرہ ہے قابلیت کا

ہمارے لیڈروں نے ملک و ملت کو دیا کیا ہے
الیکشن ہی جہاں انجام ہے لوٹا سیاست کا

انگوٹھا چھاپ، گونگے پہلوانانِ سیاست ہیں
جنہیں جاگیرداری نے جنون بخشا حکومت کا

یہاں پر کرسیاں چلتی ہیں ایوانِ سیاست میں
تماشا دیدنی ہوتا ہے ایوانِ سیاست کا

جنہوں نے ملک توڑا ہے جنہوں نے کی ہے غداری
انہیں پہنا دیا ہے تاج ملت نے قیادت کا

مجھے آتا ہے رونا قوم کی اس عقل و دانش پر
کہ جس نے رہزنی کو نام بخشا ہے قیادت کا

مرے قائد مجھے تو آپ کی توصیف لکھنا تھی
مگر لکھنا پڑا ہے تذکرہ قحطِ قیادت کا

ستم ہے تو نے ایسی قوم کو بخشی ہے آزادی
کہ چھینا جھپٹی میں ٹکڑے ہوا نقشہ ریاست کا

کیا کچھ تو عمل اغیار نے تیرے اصولوں پر
کیا لیگی اکابر نے سیاہ چہرہ سیاست کا

حقائق سے اگر عاری ہو انجم تبصرہ میرا
لو! بخشا آپ کو میں نے ہے خوں اپنی شہادت کا

جشنِ اقبالؒ

اقبالؒ تیرا جشن منانے کو آئے ہیں
دھرتی کو یہ غرور کہ پیدا کیا تجھے

فوق البشر کا فلسفہ تو نے کیا ہے رد
خیر البشر کے عشق نے دی ہے جلا تجھے

نٹشے کو ہے غرور نہ ہیگل کو فخر ہے
عشقِ رسولؐ حق نے کیا ہے عطا تجھے

ہے راہِ مستقیم ترا نظمِ فلسفہ
آئی رحیلِ شوق کی بانگِ درا تجھے

تو بالِ جبرائیل کا محتاج تو نہ تھا
عشقِ رسولؐ میں ہے ملا مرتبہ تجھے

ضربِ کلیم کا ہے اثر تیرے شعر میں
مومن کا دل، شعورِ قلندر ملا تجھے

منزل بتائی قوم کو اک راہبر دیا
افرنگ نے بھی مان لیا ناخدا تجھے

افکار تیرے پھیل گئے شرق و غرب میں
انجمؔ ادب میں مانتا ہے راہنما تجھے

شعورِ اقبالؒ

اقبالؒ کو سمجھتا ہوں مجھ کو یہ فخر ہے
حاصل ہے بے خودی نہ شعورِ خودی مجھے

دو چار شعر لکھ کے اکڑتا ہوں اس طرح
حاصل ہے جیسے فکر کی بالیدگی مجھے

اقبالؒ معترف ہے کہ شاعر نہیں ہوں میں
دعویٰ ہے شاعری تو ودیعت ہوئی مجھے

شُدبُد نہیں ہے فلسفہ و عقلیات کی
خواہش مگر ہے لوگ کہیں فلسفی مجھے

حاصل عبور ہے مجھے اقبالیات پر
اردو سمجھ میں آئے نہ کچھ فارسی مجھے

زہرِ غمِ حیات ہے آبِ حیاتِ وقت
تیرے پیام سے ہے مگر حوصلہ مجھے

فرصت مجھے کہاں کہ زبورِ عجم پڑھوں
فکرِ معاش وہ ہے کہ مرجھا دیا مجھے

جانبازوں کو سلام

سرفروشانِ وطن کو جانبازوں کو سلام
قوم کے جری جیالوں پاسبانوں کو سلام

جان کی بازی لگا کر جو بچاتے ہیں وطن
نعرۂ تکبیر لب پر، دوش پر جن کے کفن
بت شکن جن کا لقب ہے صف شکن جن کا چلن
خالدؓ و طارقؒ کے ان روحانی بیٹوں کو سلام
سرفروشانِ وطن کو جانبازوں کو سلام

کرگسوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں عقابوں کی طرح
بھارتی گیدڑ کو دھمکاتے ہیں شیروں کی طرح
اور مہاشوں پر جھپٹتے ہیں دلیروں کی طرح
ان دلیروں اپنے شاہینوں، عقابوں کو سلام
سرفروشانِ وطن کو جانبازوں کو سلام

صورتِ دیوارِ چین، دیناج پور پر ڈٹ گئے
پلٹے جب جیسور، سلہٹ پر تو دشمن چھٹ گئے
موت سے آنکھیں ملائیں اور وطن پر کٹ گئے

ان وفاداروں، دلیروں ان شہیدوں کو سلام
سرفروشانِ وطن کو جانبازوں کو سلام

اک زقند میں پار دلی، آگرہ پر چھا گئے
جودھ پور، انبالہ، ہلواڑہ پہ بم برسا گئے
چیخ اٹھی اندرا سبھا میں اور محل تھرا گئے

قوم کے ان جانبازوں، پاسبانوں کو سلام
سرفروشانِ وطن کو جانبازوں کو سلام

وصلِ بنگلہ دیش میں اور چین میں بھی جوش ہے
سادھ لی چپ روس نے امریکہ بھی خاموش ہے
جنگ مکتی فوج سے ہے اندرا کیا زردوش ہے

ان خموشوں، امن کے ان ٹھیکیداروں کو سلام
قوم کے انجم جیالوں، پاسبانوں کو سلام

چلے چلو، بڑھے چلو

اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری
اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو
وطن کے پاسباں ہو تم ہماری عزوشاں ہو تم
ہمارے پہلواں ہو تم وطن کے پاسباں ہو تم
تمہاری فوج کے جواں دلیر بت شکن جری
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری
اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو

ہو لا الٰہ کے پاسباں، رسولؐ حق کے نکتہ داں
ہو کفر کے مقابلے میں کامیاب و کامراں
خدا تمہارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ ہے نبیؐ
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری

اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو

صبا چلے تمہارے نقشِ پا کو چوم چوم کے
تمہاری فتح کے علم پہ مست جھوم جھوم کے
تمہارے بزم و رزم سے ہے قوم کی خوشی غمی
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری

اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو

تمہارے سامنے عدو کے ٹینک، توپ چیونٹیاں
تمہارے سامنے جہاز دشمنوں کی مکھیاں
عقاب ہو جھپٹ پڑو پکار کے علیؓ علیؓ
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری

اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو

تم اک ہی سو پہ شیر ہو، عدو کی صف بکھیر دو
تمہاری اک گرج سے بھی صفِ شغال ڈھیر ہو
تمہارے خوف سے ہر ایک شہرِ ہند ماتمی
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری

اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو،

گزر کے دلی شہر سے تم آگرہ لپیٹ لو
ہو کاشمیر ساتھ میں تو جموں کو سمیٹ لو
تمہارے ساتھ وقت ہے، ہے ساتھ رائے عالمی
اٹھاؤ سامراجِ ہند پر وہ گرزِ غزنوی
تمہارا عزم خالدی، تمہاری ضرب حیدری

اے سرفروش غازیو! اے صف شکن مجاہدو!
چلے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، چلے چلو،

مومن کے عزائم

بھارت کو بتاتا ہوں میں قرآن کی تفسیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

اسلام کی فطرت پہ مشیئت بھی ہے نازاں
ہے دینِ محمدؐ کا نگہبان مسلماں
اسلام کی دولت ہے فقط نعرۂ تکبیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر
کافر کو تو ہے فوج کی کثرت پہ بھروسہ
مومن کو ہے اللہ کی حمایت پہ بھروسہ
کر دیتا ہے پامال جو کفار کی تدبیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

جو پرچم اسلام پہ ہے چاند ستارہ
اسلام کی عظمت ہے مری آنکھ کا تارا
وابستہ اسی سے ہے مسلمان کی تقدیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

جاں خطۂ کشمیر پہ قربان کریں گے
جموں کے لیے آخری دم تک بھی لڑیں گے
ہے جموں و کشمیر تو اسلاف کی جاگیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

لاہور کے جانباز مری بات تو سن لے
جب کھیم کرن لے لیا کرنال بھی چن لے
دہلی کی حکومت ہے ترے خواب کی تعبیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

جو دودھ کہ چھاتی سے تجھے ماں نے پلایا
تیری رگِ غیرت نے اسے خون بنایا
افلاک نے دیکھی ہے اسی دودھ کی تاثیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

اقبالؒ ترا شہر مجاہد نے بچایا
اغیار کے پنجے سے چونڈہ کو چھڑایا
باندھے ہے کفن سر پہ لیے ہاتھ میں شمشیر
مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

بھارت کے ہوا باز کو توپوں سے اڑا دے

تو سر پھرے چاون کو زبردست سزا دے

ہے پاس ترے حیدرِ کرارؓ کی شمشیر

مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

موسائے زماں کفر پہ پھینک اپنے عصا کو

ملت کے نگہبان بلا اپنے خدا کو

تقدیر سے کر مشورۂ جنگ کی تدبیر

مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

ہیں یورپ و امریکہ ثنا خوانِ مسلماں

کہ بھارتی گیدڑ ہوئے شیروں سے پریشاں

لو بھاگ کھڑے ہیں جو سنا نعرۂ تکبیر

مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

ہے فخر مجھے عظمتِ اسلام پہ انجمؔ

دیکھو تو شہیدوں کے لبوں پہ ہے تبسم

تاریخ مٹا سکتی نہیں خون کی تحریر

مومن کے عزائم سے بدل جاتی ہے تقدیر

مردِ مومن

مردِ مومن ہے قوی ہمت ہے میرِ کارواں　　کو کٹھن ہے راہ لیکن عزم ہے اس کا جواں

گرم خونِ مومناں کشمیر کی جانب کشاں　　نعرۂ تکبیر لب پہ ہاتھ میں تیغ و سناں

جشنِ آزادی منانے چل پڑا کشمیر میں　　یومِ آزادی کو ڈھونڈے خواب کی تعبیر میں

جس کی پاکوبی سے ہوتے ہیں عدو بھی نیم جاں　　مادرِ گیتی کا پروردہ چمن کا رازداں

شیر دل انسانوں سے ہے ملک و ملت سرخرو　　قطرۂ خوں ان کا ہم کو بخشتا ہے آسماں

نونہالِ قوم میں انجمؔ بھرو عزمِ جواں

حافظِ ناموسِ ملت قوم کا ہے پاسباں

مومن کی خودی

مردِ مومن کی خودی ہوتی نہیں خام ابھی
سر نگوں کفر سے ہوتا نہیں اسلام ابھی

لب پہ ہر اہلِ قلم کے ہے ترا نام ابھی
کتنی دنیا ہے مگر منتظرِ شام ابھی

میں ہوں محرومِ تبسم تو ہے معتوبِ غرور
راس آئی نہ کسے گردشِ ایام ابھی

جن کو غدارِ چمن اہلِ چمن کہتے ہیں
میرا گلشن ہی نہ کر ڈالیں وہ نیلام ابھی

میرے اقبالؒ دیا درسِ عمل تو نے ہمیں
پھر ترے بعد وہی ساقی وہی جام ابھی

چوم تو لیتی ہیں لب بادِ صبا کی موجیں
داغ رکھتا ہے مگر لالہء گُل فام ابھی

دورِ حاضر میں جو الفاظ کے معنی بدلے
ہم وفاداروں کو وہ دیتے ہیں الزام ابھی

کتنی دل سوز ہے تنہائی و بے خوابیء شب
صورتِ بانگِ درا گونجے گا پیغام ابھی

مطلعء صبح پہ واٹیل سی معجز زلفیں
صبح بیدار ہوئی تھی کہ ہوئی شام ابھی

جاں فزا کیسا تھا آغازِ محبت انجمؔ
خوں رلاتی ہے مگر تلخیٔ انجام ابھی

غدارِ چمن

عوامی زخم دل کے ترجماں ہیں
رذالت کے لبوں پر شیخیاں ہیں

شرافت کے لبوں پر سسکیاں ہیں
مگر ہم بااراده بدگماں ہیں

مری بھارت میں شہریت ہے اب تک
مری بمبے میں اب تک کوٹھیاں ہیں

میں خاکستر بنا دوں گا چمن کو
مرے افکار میں وہ بجلیاں ہیں

میں کر دوں گا پریشاں خوابِ مفلس
جو میرے واسطے شعلہ بجاں ہیں

سہانے عہد کل جن سے کٹے تھے
ہیں خالی جیب داماں دھجیاں ہیں

میرے احباب کا قصہ نہ پوچھو　　کہ ان کے جھونپڑوں پہ کوٹھیاں ہیں

ارے اندھو ہیں غدار چمن ہم　　چمن ویران ہیں الّو جہاں ہیں

ہمیں ہے فخر غداریٔ گلشن　　بہ تخریب چمن ہم کامراں ہیں

کریں گے اور بھی ٹکڑے وطن کے　　ہمارے عزم ہم سے بھی جواں ہیں

ہمیں بخشا جنہوں نے تاج شاہی　　گریباں چاک، داماں دھجیاں ہیں

رگِ لالہ و گل میں خونِ مفلس　　یہی تو لوگ زیبِ داستاں ہیں

سیاسی نظمیں شاعر لکھ رہے ہیں　　عوامی زخم دل میں گلفشاں ہیں

بنامِ رہبری گلشن بھی بیچا　　ہمیں ننگِ وطن ہیں ہم جہاں ہیں

چمن کا کوئی بھی وارث نہیں ہے　　پرانے راہبر اس کے کہاں ہیں

فنِ شافہ گری میں تھے جو ماہر　　وہی کم ظرف اب پیرِ مغاں ہیں

نہ تھی کل جن کی درباں تک رسائی

وہ جانِ میکدہ رازِ نہاں ہیں

راہزن

تجھے اکسا رہی ہے قوم سے پھر خوئے غداری
تو کیا سمجھا نہیں سمجھا ہے کوئی تیری چالاکی

خودی کے راہزن جس قومِ خفتہ کا مقدر ہیں
وہ کب بیدار ہو کر پا سکے گی رازِ افلاکی

جہاں حور و مئے رنگیں ضرورت سمجھی جاتی ہیں
وہاں نانِ جویں مفلس پہ ہے الزامِ عیاشی

وطن میں شیرِ مادر چھاتیوں میں سوکھ جاتا ہے
اثر انداز بھوکی ماؤں پہ ہے خوفِ قزاقی

چمن میں کرگس و زاغ و زغن ہیں خیمہ زن جب سے
عنادل کیوں نہ چھوڑیں احتجاجاً پھر غزل خوانی

ترا تو پول کھولا تیرے سعدوں تیرے نعروں نے
خبر کیا تھی کہ پنہاں روشنی ہی میں ہے تاریکی

ادیبوں کو یہ حیرت ہے کہ لکھیں تو وہ کیا لکھیں
اپاہج ہو گئی اس دور میں لیلائے آزادی

ترے ناکام دوروں سے کلیجہ منہ کو آتا ہے
کہ ہیں بیزاریاں پالیسیوں سے چینی، امریکی

تو غدار و وظیفہ خوار ہے اجڑے گلستاں کا
تری تقریرِ اوّل سے ہے ثابت خوئے روباہی

تو مثلِ جعفرِ بنگال ڈھاکے کا بروٹس ہے
کہ زیبا ہے تجھے وہ مکر و فن کا تاجِ پرویزی

نونہالانِ قوم

سنو پیارے بچو، مرے نونہالو!
وطن کے ستارو، مرے بھولے بھالو!
وطن کی بہاریں وطن کی امیدیں
تمہارے ہی دم سے ہیں ہم سب کی عیدیں

نہالِ چمن ہو بہارِ چمن ہو
تمھی ہو تمھی زینتِ انجمن ہو
تمہارے ہی دم سے ہیں ماں باپ زندہ
تمہارے بغیر ان کی ہے روح مردہ

تمہارے لیے کرتے ہیں خوں پسینہ
ہو تم ان کا سرمایہ اور ہو خزینہ
یہ خواہش بڑی سب سے ماں باپ کی ہے
ہے ان کی خوشی گر خوشی آپ کی ہے

سنو پیارے بچو، ارے نونہالو!
بزرگوں کا اپنے کہا تم نہ ٹالو
کرو علم حاصل کرو خوب محنت
خدا پاک ڈالے گا محنت میں برکت

تمہیں سب سے پہلے ادب سیکھنا ہے
تمہیں پھر بڑوں کا کہا ماننا ہے

کبھی بھی نہ محنت سے تم جی چراؤ
کرو خوب محنت نہ تم مار کھاؤ

بجا حکم استاد کا لاؤ گے تم
تو دنیا میں رتبہ الگ پاؤ گے تم

ملے گی تمہیں ماں کے قدموں میں جنت
عبادت خدا کی ہے ان کی اطاعت

فضیلت کسی کو نہ استاد پر دو
بہت قیمتی بات ہے اس کو سن لو

تفکر کا پودا کتابوں میں پالو
پڑھو روزوشب اور نتیجہ نکالو

عزائم تمہارے ہمیشہ ہوں بالیٰ
نہ سوچو کبھی ادنیٰ، سوچو تو اعلیٰ

نئی پود کو کچھ سبق دیجو انجمؔ
خدا کا نبیؐ کا کہا جان لو تم

انقلاب

ان لیڈروں کو اپنے عقائد سے عشق ہے
قوم و وطن کی ان کو ذرا بھی خبر نہیں

قربان شخصیات پہ کرتے ہیں جو اصول
ان ظالموں کی اہلِ نظر پر نظر نہیں

روزِ ازل سے جاری و ساری ہے انقلاب
انجم وہ شام ہی نہیں جس کی سحر نہیں

غریب

زردار نے تو دوزخ و جنت لیے خرید
عقبیٰ غریب کا ہے نہ دنیا غریب کی

تربت پہ ایک تاج محل یادگار ہے
چھوٹی ہے بات روم سے کٹیا غریب کی

اب کیا کہیں کہ یہ تو مقدر کی بات ہے
اچھی تری پسند ہے، ان کو رقیب کی

اس دور میں ہے عظمتِ کردار کی تلاش
اے دوست تو نے بات عجیب و غریب کی

انجم اگر خدا بھی امیروں کے ساتھ ہے
پھر کیا سنے گا کوئی جہاں میں غریب کی

نصیب

مت دوش دو کسی کو گر کچھ عجیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

میں آسماں کا تارا، ماں باپ کا دلارا
میرا شباب کیسے قدرت نے ہے نکھارا
کیوں ہو گیا زمانہ میرا رقیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو
یا رب مجھے ہوئی ہے یہ زندگی مصیبت
جو خواب میں نے دیکھا وہ بن گیا حقیقت
میری زندگی کا ساتھی میرا رقیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

جینا ہے جی رہا ہوں، میں زہر پی رہا ہوں
ہاتھوں سے آپ اپنے زخموں کو سی رہا ہوں
اے دوستو تم آ کر میرے قریب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

کس کو خبر تھی پہلے ظالم امیر لوگو
پھولوں کو مارو پتھر، اے بے ضمیر لوگو
تم کر رہے ہو دعویٰ ''ہم ہیں نجیب دیکھو''
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

میں پوجتا ہوں پتھر، میں چومتا ہوں پتھر
وہ موم ہو گیا دل تھا جو کہ سنگِ مرمر
تعزیر عاشقوں پر میرے خطیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

حیراں ہوں بے وفا پر روتا ہوں مسکرا کر
افسوس کر رہا ہوں پتھر گلے لگا کر
مانگا تھا کیا ملا کیا، قسمت عجیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

کہتے ہیں مجھ کو انجم سنیے مرا فسانہ
میں خوش نصیب کب تھا، تلاطمِ زمانہ
گل ہنس رہا ہے لیکن دلِ عندلیب دیکھو
قسمت میں میری پتھر، میرا نصیب دیکھو

تسخیرِ تاباں

ذہن میں تھا شعلۂ تسخیرِ تاباں چاند پر
آج وہ دن ہے کہ ہے انساں رقصاں چاند پر

مسکرائیں گے کنول بھی آرزو کے صف بہ صف
ایک دن ہو گا زمیں جیسا چراغاں چاند پر

چاند کی وادی میں لیں گے کتنے افسانے جنم
جائیں گے عشاق جب شہرِ نگاراں چاند پر

اک طرف مرتا ہے فاقوں سے زمیں پر آدمی
پہنچتا ہے اک طرف عیاش انساں چاند پر

رقص فرما ہوں گی پھر دوشیزگانِ میکدہ
رند ہوں گے پھر بھی انجم سے گریزاں چاند پر

امتحاں

امتحاں سے دل کی دھڑکن تیز ہے
چھا گئی چہروں پہ کچھ پژمردگی

اہلِ ہمت کا تو ہے عزمِ بلند
امتحاں کو بھی وہ سمجھے دل لگی

آپ گر سمجھے اسی کو امتحاں
کیسے دیں گے امتحانِ زندگی

امتحانِ حشر ہے مشکل بہت
ہو نہ انجمؔ پھر وہاں شرمندگی

تضاد

کسی کو دیکھو کہ سر چھپانے کو
جھونپڑا ابھی نہیں میسر
اندھیری شب میں سڑک کے فٹ پاتھ پر پڑا ہے
کبھی وہ سردی میں سرد جھونکوں سے
اپنی ہڈیوں کو
چیتھڑوں سے چھپا رہا ہے
کبھی قرینے سے ننگا فٹ پاتھ
چیتھڑوں سے سجا رہا ہے
ہنسا رہا ہے،
کسی نے مرنے کے بعد دیکھیں

کہ تاج محلوں کے سائے پائے

مگر ادھر اک شریف اور بے سہارا انسان

ہزار محنت، ہزار کاوش سے

سوکھے ٹکڑے چبا رہا ہے

تو اس کو ہمسایہ گھورتا ہے

مگر وہ ہمسایہ یعنی وہ بے ضمیر انساں

شریف جس کو شریر سمجھیں

شریر اسے بے نظیر سمجھیں

اسی نے رشوت کے کالے سکّوں سے

قصر و ایواں بنا لیے ہیں،

سجا لیے ہیں

اسی کی اولاد نے محل میں بصد غرور و ہزار نخوت

غریب لوگوں کی

بیٹیوں کا شباب لوٹا

ہے خون چوسا

تو اب وہ مستِ مئے شبانہ

پلنگ پر سے گری پڑی ہے

زمیں پہ سجدے لٹا رہی ہے

شراب کی بو بھی آ رہی ہے

حُسن مائل بہ صفا ہو جیسے — عشق قائل بہ وفا ہو جیسے

ان کی نظروں نے کہا ہو جیسے — دل کے کانوں نے سنا ہو جیسے

مجھ کو ایسے ہی مٹایا اس نے — شعلہء شمع بجھا ہو جیسے

میں نے کھایا ہے خوشی سے ایسے — تیرا غم میری دوا ہو جیسے

اپنی بخشش پہ تو نازاں ہے وہ — دل دیا مجھ کو سزا ہو جیسے

داغِ دل سرخی میں یوں ہے میرا — دستِ نازک پہ حنا ہو جیسے

زخمِ امید ہے تازہ میرا — غنچہ گلشن میں کھلا ہو جیسے

نبضِ گیتی کو چلاتا ہے یہی — عشق دنیا کا خدا ہو جیسے

دل ترا تاج محل ہے انجم
کوئی یاد اس میں دیا ہو جیسے

شکلِ لالہ گلاب کی سی ہے — بوئے لالہ سراب کی سی ہے

آرزوئیں جنم کہاں سے لیں — دل کی صورت کباب کی سی ہے

دھوپ میں غم کی جل رہا ہوں میں — گرمی یوم الحساب کی سی ہے

خود فریبی ہے آرزو تیری — وصل کی آس خواب کی سی ہے

نور پاشی نقابِ رخ کی ترے — مہ بہ دامن سحاب کی سی ہے

میرے آنسو وفا کے گوہر ہیں — جن کی آب آفتاب کی سی ہے

خلد کی حوریں چنبہ و سوسن — تیری ہستی گلاب کی سی ہے

تیری ہر بات اہلِ دل کے لیے — حکمِ ام الکتاب کی سی ہے

لذتِ غم نصیب ہے مجھ کو — جس کی مستی شراب کی سی ہے

جس کی جانب بھی آنکھ بھر دیکھو — زیست اس کی حباب کی سی ہے

تابِ جلوہ ہی جب نہ ہو انجم
بے حجابی حجاب کی سی ہے

جس محبت سے آپ ملتے ہیں
دل کے آنگن میں پھول کھلتے ہیں

اے ستمگر! ترے تبسم سے
دل پگھلتے ہیں زخم سلتے ہیں

یہ کرشمے کہاں کے حاصل
ہلتے لب ہیں پہ غنچے کھلتے ہیں

کوئے الفت میں شکوے کیا معنی
ہاں وفا پر کلیجے ہلتے ہیں

تم چراغ وفا جلا کے رکھو
لوگ جیسے بھی تم سے ملتے ہیں

دھوپ سائے کے ساتھ رہتی ہے
پھول کانٹوں کے ساتھ کھلتے ہیں

دیکھ اپنوں کو غور سے انجمؔ
کچھ کرم کے نشان ملتے ہیں

دلبری میں تو کج ادائی ہے　　دل نوازی پہ بے وفائی ہے

تیری یادوں سے آشنائی ہے　　ہم نے دنیا نئی بسائی ہے

آپ آئے تو خوش ہیں لالہ و گل　　دیکھئے کیا بہار آئی ہے

دل تو کہتا ہے ذہن روکے ہے　　بیچ دو ملک کیا برائی ہے

ناؤ ڈوبے پہ ہم نہ اتریں گے　　کون ہے جس کی ناخدائی ہے

لبِ گل کی طرح ہے نازک تر　　میرا دل یا تری کلائی ہے

جھوٹ بکتے تو لوگ خوش رہتے　　کیا ملا جاں اگر گنوائی ہے

جو ہوا ہے' ہوا ہے میرے ساتھ　　چھوڑ دو اس کو میرا بھائی ہے

آ رہا ہے بجٹ بھی کل پرسوں　　سروری ہے کہ یہ گدائی ہے

زندگی بھی تو اک امانت ہے　　یہ بھی تیری طرح پرائی ہے

وہ مُصر ہیں کہ مان لو لیڈر　　کیا اسی میں مری بھلائی ہے

ہم ہیں اقدار کے علمبردار　　اہلِ فن کی یہی کمائی ہے

میں ہوں اپنے ضمیر کا قیدی　　دار تک سوچ ہی تو لائی ہے

ذہن و دل کو سکون ملتا ہے　　یاد تیری بڑی دوائی ہے

اپنا منصف بنائیں ہم کس کو　　وائے قسمت تری دہائی ہے

خون جلتا ہے فیض صاحب کا　　داد مہدی حسن نے پائی ہے

ذہن باغی نہیں ترا انجؔم
بات دل کی لبوں پہ آئی ہے

تریاقِ غمِ عشق اگر ہے تو پلا دو — جینے کی تمنا ہے مجھے جینا سکھا دو

باذوق ہیں کتنے یہ گلستاں کے پجاری — کہتے ہیں کہ بلبل کا نشیمن ہی جلا دو

سوچوں کے دریچوں میں کھڑے رہتے ہو دائم — دو چار قدم نیچے اتر کر بھی صدا دو

اے شانہ گرِ زلف گرہ گیرِ سیاست — ڈرتا ہوں کہیں قوم کے زخموں کو جگا دو

آئینہء رخسار میں منہ دیکھ رہا ہوں — ان سایہ فگن زلفوں کو پیچھے تو ہٹا دو

کیا تم کو تمنائے چمن کی بھی خبر ہے — یہ کیا ہے کہ بلبل کا نشیمن ہی جلا دو

رکھو نہ مرے سامنے افسانہء ماضی — رک جاؤ نہ احساس کے شعلوں کو ہوا دو

کیا ربط ہے ٹوٹے ہوئے پتوں کا شجر سے — پڑتی ہے گرہ جوڑ جو دھاگے کے لگا دو

سو غنچۂ امید ترے پیار نگر کا — کھل جائے اگر اس کو تبسم کی ضیا دو

مذہب ہے مرا عشق میں آزاد منش ہوں — تم جرم سمجھ کر ہی مجھے اس کی سزا دو

انجم ہیں اگر لوگ ترے شہر کے مخلص
مجھ کو بھی کسی درد کے مارے کا بتا دو

ٹکرائیں گے نہ آپ اگر تیرگی کے ساتھ
پھر کس طرح ملیں گے گلے روشنی کے ساتھ

وہ ختم ہو گئی مرے آنسو نچوڑ کر
جو داستاں چلی تھی کبھی اک ہنسی کے ساتھ

اچھا برا کسی کی جبیں پر نہیں لکھا
کردار مستند ہے مرا اجنبی کے ساتھ

روحوں کا وصل ہوگا مری جان بعد مرگ
پابند ہم نہیں ہیں فقط زندگی کے ساتھ

آنکھیں نہیں ہیں آج تک اشک آشنا تری
پتھر بھی رو دیے ہیں مری بے کسی کے ساتھ

جو چاہتے ہیں دستِ مصور کو چوم لیں
نفرت نہیں ہے ان کو کلی شاعری کے ساتھ

تصویرِ شعر نازک و رنگیں رواں دواں
شاعر کا فخر بھی ہے فنِ شاعری کے ساتھ

جب دوستوں سے کوئی توقع نہیں مجھے
کیا دشمنی انہیں ہے مری دوستی کے ساتھ

مردِ جری ہی عصمتِ زن کا ہے پاسدار
آدم ہے ساتھ حوا کے کانٹا کلی کے ساتھ

تکمیلِ ذات ہوتی ہے اک امتزاج سے
قائم تری خودی ہے اگر بے خودی کے ساتھ

ہیں تنگ شیشہ بازشریفوں سے اہلِ شہر
جوں قید دہلوی ہو کسی لکھنوی کے ساتھ

تیرا وجود بھی تو عمل دھاندلی کا تھا
کیسے نہ دھاندلی تو کرے دھاندلی کے ساتھ

جادو نگاہِ ناز میں ہے بزم جس سے گنگ
منسوب ہو گیا ہے مگر سامری کے ساتھ

پُرپیچ و پُرفریب سیاست کی رہگزر
مجبور دشمنی ہے جہاں دوستی کے ساتھ

جیتے ہوئے بھی لگتا یہی تھا کہ رو دیے
ٹی وی پہ آپ جشن میں پژمردگی کے ساتھ

وہ بھی تو ہیں کہ ہار کے جیتے ہیں شان سے
جیتے ہو کس فریب سے کس بزدلی کے ساتھ

جیتے ہوئے ہیں آپ تو پھر جیت جائیں گے
کروائیں انتخاب مگر راستی کے ساتھ

اک یوم کو چمن سے جو دیکھیں نکال کر
سب لوگ پیار کرنے لگیں زندگی کے ساتھ

فرعونِ وقت نیل میں جب تک نہ غرق ہو
چھوڑا ہے اقتدار کسی نے خوشی کے ساتھ

غیرت کی موت کیوں نہ مروں کربلا میں، میں
بے شرم بن کے کیسے جیوں بزدلی کے ساتھ

نیکوں کے ساتھ کرتے ہیں نیکی تمام لوگ
انجم ہے اصل نیکی برے آدمی کے ساتھ

انجم خدا کسی کا خریدا ہوا نہیں
دستِ دعا اٹھاؤ نہ یوں بے دلی کے ساتھ

لاشۂ غم اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہوں میں
دل میں زخموں کا چمن ہے مسکرا سکتا ہوں میں

مجھ سے لکھوائی زبورِ غم جو دردِ ہجر نے
جانِ من! فرصت اگر ہو تو سنا سکتا ہوں میں

غالب آیا ہے غرورِ حُسن پہ جذبِ وفا
شمع کو چاہوں تو پروانہ بنا سکتا ہوں میں

میں وہ غدارِ سیاست ہوں اس اندھی قوم میں
کھوٹا سکہ بھی کھرا کر کے چلا سکتا ہوں میں

میں نہیں جبریلِ سدرہ، طائرِ لاہوت میں
عرش کے کنگروں کے اوپر پھڑپھڑا سکتا ہوں میں

میں کہ ہوں پیرِ سیاست بیچ سکتا ہوں چمن
لیڈروں کو انگلیوں پر بھی نچا سکتا ہوں میں

میں کہ ہوں فرصت گزیدہ غم چشیدہ زمن
اک تبسم پر غمِ دنیا بھلا سکتا ہوں میں

جو تری زلفیں سجانے کے لیے لایا تھا پھول
اب مزارِ یاس پہ اپنے سجا سکتا ہوں میں

کو نہیں سچ کی کسے توفیق لیکن آج بھی
اپنی سولی اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہوں میں

آفتابِ فکر ہوں انجمؔ نہ فن کا ماہتاب
آسمانِ شوق پہ کیا جگمگا سکتا ہوں میں

ہیں مست فتح سے نہ پریشاں شکست سے — بے تیغ حق پہ لڑ گئے فولادِ دست سے
رہبر سے قوم کو جو ملے بزدلی کا درس — پیوستہ کر نہ دے گی مقدر شکست سے
شاید سہانی یاد کو اب چھوڑ کر چلیں — کیا لے چلیں گے دوست مسافر درخت سے
مخلص کو ہے تو خون پسینے پہ ناز ہے — دولت کی قدر پوچھ کسی زر پرست سے
ہم کیوں نہ ان کو نام سگِ اقتدار دیں — ننگِ وطن چمٹ جو گئے تاج و تخت سے
دل تو لٹا دیا ہے ہوئے ہیں وہ تجربات — لیں گے ہزار کام دلِ لخت لخت سے
دولت سے آنکھ بھرتی نہیں ہے کسی طرح — مجھ کو سبق ملا ہے یہ دولت پرست سے
چل جائے گا ضمیر کا اک بات سے پتہ — کچھ بات کر کے دیکھیے موقع پرست سے
شستہ زباں نہیں نہ سہی ساتھ دل تو ہے — ہرگز نہ خوف کھایئے مردِ کرخت سے
سامانِ بزمِ عیش نہیں ہیں ہم اہلِ فن — پاتے نہیں وظیفہ کسی زر پرست سے
کم ظرف تیرا دستِ طلب ہی نہ کاٹ دیں — آخر شکست کھائی سکندر نے بخت سے

ڈھلتا ہے آفتاب بھی نصف النہار سے
انجمؔ نہ فیض پاؤ گے اچھلے درخت سے

زباں بندی کو آزادی کا عنواں کر دیا ہم نے
بہت کچھ انقلابِ نو کا ساماں کر دیا ہم نے

ہمارے خونِ دل کا معجزہ ہے یہ جہاں والو
جہاں میں عام ذکرِ حسنِ جاناں کر دیا ہم نے

اسی امید پر شاید کہ وہ بھولے سے آ جائیں
شبِ ہجراں میں پلکوں پہ چراغاں کر دیا ہم نے

قبائیں چاک ہیں گل کی جگر ہے داغ لالہ کا
چمن کا بے ضمیروں کو نگہباں کر دیا ہم نے

رہے گی جلوہ گر پیری ابھی بزمِ سیاست میں
جوانی کو پسِ دیوارِ زنداں کر دیا ہم نے

تفکر کے سمندر سے نکالے عقل کے موتی
سلیقے سے ہر اک مشکل کو آساں کر دیا ہم نے

غرورِ حسن پہ نازک مزاجی، عرضِ دل، توبہ!
عبث دردِ محبت کو نمایاں کر دیا ہم نے

نہیں شکوہ اگر کوئی نہیں پرسانِ حال اپنا
دلِ بے مدعا کو جب سے ارزاں کر دیا ہم نے

غمِ دوراں سے دل زخمی تو چھلنی ہے جگر انجم
مگر چہرہ تبسم سے گلستاں کر دیا ہم نے

جاں بہ لب ہو کر پکاری شمعِ گریاں صبح دم
وقتِ آخر دیکھنے پائے نہ پروانے مجھے

بامِ دل سے جھانکتا ہے آفتابِ رخ کشا
جانتا ہوں سیڑھیاں چڑھتا ہے بہکانے مجھے

جب کبھی ترکِ محبت کے لیے کہتے ہیں دوست
میرے خونِ دل سے بھر دیتے ہیں پیمانے مجھے

روگ لگ جائے محبت کا جوانی کو تری
ایک قُم کہنے کو تم بلواؤ سرہانے مجھے

جب سے اس نے آنکھ بھر کر مجھ کو دیکھا ہے تو ب
نیم دیوانہ لگے کہنے ہیں دیوانے مجھے

زاہدا میں تیرے دل سے پھر کے آیا ہوں ابھی
میکدے میں تو کہے جب کوئی پہچانے مجھے

پہلوئے جاناں میں مصروفِ تکلم دیکھ کر
آج کہتے ہیں وہی فرزانہ دیوانے مجھے

مست ہو جائیں جنہیں پینے سے پہلے دیکھ کر
ساغرِ ساقی سے بہتر ہیں وہ پیمانے مجھے

مجھ طلبگارِ سکوں کو چھوڑ دو اپنے حال پر
رشکِ باغت افروز ہیں انجم کے ویرانے مجھے

مجھ کو رسوا کیجئے نہ خود کو رسوا کیجئے
بحث کو دو چار اپنے ساتھ لایا کیجئے

پھڑ پھڑا اٹھے مرا دل جو کبھی بکھرے کلی
اپنی زلفوں سے سرِ محفل نہ کھیلا کیجئے

آپ تو نا آشنا ہیں دوست کے معنوں سے دوست
چشمِ بینا پہلے سے بہتر ہے پیدا کیجئے

دوست ہیں اے دوستو! سرمایۂ صد فخر و ناز
دوستوں سے تو کسی صورت نہ دھوکا کیجئے

موتیوں کو کوئی بھی سنگریزہ کہہ سکتا نہیں
داد خواہی کے لیے خود کو نہ بیچا کیجئے

ایک مدت سے میں کیوں انجم ملک خاموش ہوں
میری خاموشی کا پس منظر بھی سوچا کیجئے

لرزہ ہے آفتاب پہ خوفِ زوال سے
جیسے خیالِ یار سے تڑپا کرے کوئی

خونِ جگر کے بعد لیا آنسوؤں سے کام
یوں شمعِ انتظار جلایا کرے کوئی

دیوانہ جس کے عشق میں کہتے ہیں مجھ کو لوگ
اس کو مری نگاہ سے دیکھا کرے کوئی

غم تیرا جاں گسل ہے تری یاد جاں فزا
دریائے نار و نور میں اترا کرے کوئی

سینے سے تیرا عشق لگائے ہوں اس طرح
روٹھے ہوؤں کو جیسے منایا کرے کوئی

مضمر ہے جب فنا میں بقا میرے دوستو
دیکھو عبث نہ موت کو رسوا کرے کوئی

جب خود ہی خستہ حال ہیں انجم شناس لوگ
ہاتھ اپنا کیوں کسی کو دکھایا کرے کوئی

دیتا ہے دل دعائیں بہت شعلہ فام کو
جس نے کہ چار چاند لگائے ہیں بام کو

معیارِ فن جو تو نے ہے سمجھا مقام کو
چشمہ اتار بغض کا پھر پڑھ کلام کو

چرچا تھا شہر بھر میں ہمارے جنون کا
گزرے تو کتنے ہاتھ اٹھے ہیں سلام کو

تاروں کی چھاؤں میں ہے ترا انتظار بھی
ڈر یہ بھی ہے کہ صبح نہ کھا جائے شام کو

تو نے تو اک نظر میں نظر سے گرا دیا
ہم تو ازل سے پوجا کیے تیرے نام کو

تیرے بغیر بھی مجھے نیند آ ہی جائے گی
رکھ لوں گا پہلے صبر کی سل دل پہ شام کو

جب اذن مے کشی نہ ہو بڑھتی ہے تشنگی
ساقی نہ بھر کے سامنے رکھ میرے جام کو

وہ کائناتِ دل کہ مجھے جس پہ تھا غرور
میں دے چکا ہوں مفت کسی شعلہ فام کو

زردار میرے پاس سے گزرا ہزار بار　　میں بھوکوں مر گیا پہ نہ اٹھا سلام کو

بیدار ہو گئے جنہیں تو نے سلا دیا　　اب تیرا نام بھول گیا ہے عوام کو

سیلاب نفرتوں کا اٹھے گا ترے خلاف　　اندھا سمجھ کے لوٹ نہ لے تو عوام کو

سمجھے ہیں تیری شعبدہ بازی کو لوگ خوب　　جو لوگ صبح بھولے تھے لوٹ آئے شام کو

شیطان تیرے پاؤں دباتا ہے صبح و شام　　حیراں ہے دیکھ دیکھ کے تیرے نظام کو

سلجھا سکیں گے آپ نہ کوئی بھی مسئلہ　　نافذ اگر نہ کیجئے مسلم نظام کو

انجمؔ دو اپنی قوم کو پیغامِ عزمِ نو
رکھ دو اٹھا کے بزم سے مینا و جام کو

کٹ جائے گی زباں جو کریں بات دیکھئے — نازک ہے کتنی صورتِ حالات دیکھئے

الفاظ خود ہی شعر کے پیکر میں ڈھل گئے — جوش و شباب سیلِ خیالات دیکھئے

کی تھی تلاش جس کے تبسم کی روشنی — بخشے اسی نے درد کے نغمات دیکھئے

مفلس کے خوں سے شیش محل میں ہے روشنی — اس دورِ نو میں کہنہ روایات دیکھئے

محرومِ اعتماد ہے کیوں خضرِ کارواں — ہر سرد آہ سیلِ بخارات دیکھئے

ہر شہرِ دل سے دولتِ تسکین چھن گئی — ہر لب پہ وقت کی ہیں شکایات دیکھئے

مشکل ہے اک بھی غنچۂ امید کھل اُٹھے
صد شاخِ دل ہری ہوئی دن رات دیکھئے

لکھ دی مرے نصیب میں سانپوں کی پرورش
لوگو! خدا کی مجھ پہ عنایات دیکھئے

قلب و نظر فریب، بہاریں ہیں بے ثبات
شعلہ صفت شباب کے جذبات دیکھئے

رہبر پہ قومِ پیر سیاست کا جال، حیف
رہنے دو انقلاب، کرامات دیکھئے

پھر بس وہ آج میرا پتہ پوچھنے لگے
پھر سے نوازشات کی برسات دیکھئے

رخصت ہوئیں لبوں سے مرے مسکراہٹیں
تم نے بڑھا دی تلخیٔ حالات دیکھئے

شیخِ حرم کی سست مزاجی عجب نہیں
چلیے جنونِ رہِ خرابات دیکھئے

انجمؔ یہاں ہے ندرتِ اسلوب میں کمال
ہر ذہن میں ہیں ورنہ خیالات دیکھئے

مقامِ عشق نہ سمجھا ہوس کے بندوں نے
کیا ہے حُسن کو رسوا فریب کاروں نے

نہیں ملا کوئی تحفہ کبھی خزاؤں سے
ہزار زخم دیے ہیں سدا بہاروں نے

جب آپ اپنی خودی سے بشر ہوا آگاہ
خوش آمدید کہا بڑھ کے خود ستاروں نے

صبا نے رازِ درونِ چمن کیا افشا
کیا ہے ساغر و مینا کا چرچا رندوں نے

ہر ایک چاپ پہ آہٹ پہ جب میں اٹھ بیٹھا
تو جھانک جھانک کے دیکھا مجھے ستاروں نے

فسانہ سننے کو اک اور عمر چاہیے تھی
کس اختصار سے کہہ ڈالا میری آنکھوں نے

حسیں نظر میں نہ ٹھہرے تلاشِ حُسن رہی
تمام عمر تعاقب کیا حسینوں نے

ضمیر قوم ہے زندہ تو قوم زندہ ہے
وگرنہ قوم کو بیچا ہے رہنماؤں نے

ہزار بار سیاست کی آبرو لوٹی
مرے وطن کے سیاسی تماش بینوں نے

افق افق ہے زمیں بوس دیکھ لو انجم
وقار پست سے مانگا بلند باموں نے

وعدہ مجھ سے ہے مگر غیر کے مہماں ہوں گے
میری پلکوں کے جھروکوں پہ چراغاں ہوں گے

نئے زردار نئے دور میں رقصاں ہوں گے
بھو کے مر کر بھی نہ غیور پشیماں ہوں گے

خار ہے گل کا محافظ تو ہے گل خار کا تاج
ایک ٹہنی پہ گل و خار گلستاں ہوں گے

دو گھڑی حُسن کا رعب اور بیانِ شبِ عمر
عاشقِ زار کے سینے میں تو طوفاں ہوں گے

لوگ سوچیں گے مداوائے مسائل لیکن
فکرِ فردا میں شب و روز پریشاں ہوں گے

غمِ دنیا نہ غمِ یار پہ غالب ہو گا
صبح تک ہم تو رہینِ شبِ ہجراں ہوں گے

محفلِ ناز کا دستور بتاتا ہے یہی
گلستاں لٹنے پہ اب جشن و چراغاں ہوں گے

تیرا مرہم تیرے اغیار تو بن سکتے ہیں — تیرے احباب ترا چاک گریباں ہوں گے

نامِ تسخیر پہ انسان کو شرم آئے گی — میری بربادی کے جب چاند پہ ساماں ہوں گے

آج ہر شخص کو دعویٰ ہے مسلمانی کا — منکشف خود پہ ہے جو جتنے مسلماں ہوں گے

نئی تہذیب کے ماتھے پہ ہیں داغِ تقلید — تنگ ملبوس پھٹے گا تو ہم عریاں ہوں گے

میرؔ و غالبؔ کی غزل میں ہے تغزل انجمؔ

یوں تو ہر دور میں کچھ لوگ غزل خواں ہوں گے

پھول رخسار کو آنکھوں کو کنول کہتے ہیں
ہم تو دیوانے ہیں ہم ایسی غزل کہتے ہیں

کاکلِ ناز کا ہیں ایک کرشمہ شب و روز
ہم جسے باعثِ اسباب و علل کہتے ہیں

خود ترا نام لبِ ناز پہ آ جائے گا
ہے بہت میٹھا مگر صبر کا پھل کہتے ہیں

لبِ یاقوت ترے مصرعے اک شعر کے دو
دیکھ کر اہلِ سخن جن کو غزل کہتے ہیں

قبر مزدور کی ہے، صاحبِ دل کا ہے مزار
خاکِ زردار کو ہم تاج محل کہتے ہیں

پھر سے فرعونوں کے ہے مدِ مقابل موسیٰ
ہم اسے ضربِ کلیمی کا عمل کہتے ہیں

آج حافظؔ جو کوئی ہے تو عدمؔ ہے انجمؔ
اندھے اپنے ہی کو غالبؔ کا بدل کہتے ہیں

چہرہ چمن میں سرخ نہ کیوں ہو گلاب کا
رخسارِ گل میں خون ہے میرے شباب کا

ہم شاعر و ادیب زمانے کے ہاتھ سے
رکھتے ہیں لب گلاب کے اور دل کباب کا

سوہنی نظر میں ہے نہ کوئی ماہیوال ہے
سرسبز آج بھی ہے کنارا چناب کا

اے بے ضمیر وقت پرستو! ذرا رکو
دیکھے گا کون شام کو منہ آفتاب کا

تھکا بہت پہ طفلِ تمنا نہ سو سکا
دیکھا ہوا ہے اس نے شباب آفتاب کا

تاروں کو چھو گیا جو کسی زندہ دل کا ہاتھ
نغمات میں بدل گیا نوحہ رباب کا

یہ زرپرست لوگ مرا خوں نچوڑ کر سمجھے ہیں سرخ چہرہ کرشمہ شراب کا
افلاس ارتکاب گنہ سے بچا گیا لیتا ہوں آب گرم سے نشہ شراب کا
آمد پہ آفتاب کی بجھ جائے جوں چراغ گل خشک لب ہے دیکھ کے چہرہ جناب کا
موضوع بزمِ فکر ہے رخسار ولب کی بات تازہ تریں ہے آج بھی مضموں نقاب کا
زخمِ فراق تیری عقیدت کا پھول ہے سرمایہء حیات ہے خانہ خراب کا
تیرے لبوں کو چشمہء حیواں سمجھ لیا تیری جبیں کو چہرہ مقدس کتاب کا
سوسوطرح جنوں میں پکارا ہے تجھ کو دوست ہر لفظ تیرا نام ہے دل کی کتاب کا

انجم قدم قدم پہ غموں کے پہاڑ ہیں
اب تھام ہاتھ رہبرِ عالی جنابؑ کا

سوالِ لطف و کرم پر وہ تلملا کے چلے
یہ وار سہ کے بھی ہم لوگ مسکرا کے چلے

ہیں گوشہ ہائے چمن یہ گوادر و چکوال
یہ کیسا شوق جو تو آشیاں جلا کے چلے

شریف زینتِ زنداں حریف بر سرِ دار
انہیں یہ ضد ہے کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

خموش اہلِ قلم ہیں تو بے اثر منصف
یہ سرفروش سرِ دار کھلکھلا کے چلے

ہے ایک ایک چمن زاد بدگماں تم سے
کہ تم جو اپنے ہی گلشن سے ہاتھ اٹھا کے چلے

ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھ لینا
جنابِ شیخ! خدارا جو گھر خدا کے چلے

ہماری سوچ کے سوتے بدل سکا نہ کوئی
کہ کوئے طیبہ سے رستے پہ کربلا کے چلے

ستم زدوں سے ہیں کہتے تمہی خموش رہو
ستم گروں کو بھی ہے کوئی جو ڈرا کے چلے

انہی کے نام مقدر رہی ہے فتح سدا
چلے چلے تو کوئی کشتیاں جلا کے چلے

تمہارا نام ہے انجم تو چھوڑ دو کرسی
کنارِ چشم سے پھر قافلے وفا کے چلے

حُسن کا ساز نہ چھو کر دلِ بے تاب نہیں
آتشِ عشق سوا اس کا تو مضراب نہیں

مجھ سے ناداں کو تری بزم کے آداب نہیں
لفظ لاکھوں ہیں مگر لائقِ القاب نہیں

جستجو شرط ہے ہر چیز یہاں ملتی ہے
حُسن کمیاب سہی عشق تو نایاب نہیں

چاندنی شب ہے نمک پاش مرے زخموں پر
دردِ فرقت کی بس اب اور تب و تاب نہیں

اپنے ہی شہر میں اس شخص کا ماتم کیا ہو
لاکھ دشمن ہیں تو دو چار بھی احباب نہیں

میں تو شاعر ہوں ترا سہرا تو لکھ سکتا ہوں
دل کی سوغات ہے یہ اطلس و کمخواب نہیں

میں تو انسان ہوں محبوب بھی میرا انساں
وہ فرشتہ بھی نہیں ہے کوئی مہتاب نہیں

کون سی مہر و وفا کی ہے یہ منزل انجم
دل تو روتا ہے مگر آنکھ میں سیلاب نہیں

رو رہا ہے شہر سارا جو بِر تا بل گیا
جب سے اٹھ کر بزم سے وہ رونقِ محفل گیا

اُس کے اِس کردار کا اب تجزیہ کیسے کروں
صورتِ مہمان آیا لوٹ کر قاتل گیا

ٹھیک ہے تجھ کو غرورِ حُسن نے اندھا کیا
کس کی یہ توہین ہے خالی اگر سائل گیا

بے نیازِ ملک و ملت ذہن جس کا منقسم
رہبروں کی آنکھ سے اب دور مستقبل گیا

قتل، ڈاکے اور اغوا یا فحاشی کے سوا
دیکھ کر اخبار ڈر لگتا ہے میرا دل گیا

شوق دریا کو کہ میں جا کر سمندر سے ملوں
سوچ کر منزل کوئی چل کر اب ساحل گیا

اہلِ محفل کیا، خدائی بھی انہیں کے ساتھ تھی
باغی کب تھا سازشی تھا دل جو ان سے مل گیا

ایک حیرت، کپکپی، لکنت وہ تاج و تخت کو
دفعتاً جب سامنے وہ یوسفِ کامل گیا

کوٹھیاں، کاریں، تعارف، فون پر پھر قہقہے
اس ہجومِ حُسن میں نظارۂ بسمل گیا

حُسن کی رنگینیاں اور عشق کی وہ سادگی
جب وہ لیلیٰ کا پڑ کے سامنے محمل گیا

پھول کالر میں مہکتا ہے اگر انجم تو کیا
کہہ رہا ہے صاف چہرہ ہائے میرا دل گیا

بنے کیا کوئی میرا رازداں شعلہ بیاں جائے
یہ دل جب تک نہ بزمِ ناز میں آتش بجاں جائے

مہ و مریخ پر انساں اکتا کر جو پہنچا ہے
یہ سر بھی تاج مانگے بھاڑ میں یہ گلستاں جائے

مقدر کا کہوں کیا نبضِ محفل دوڑ پڑتی ہے
وہی دراصل محفل ہے جہاں جانِ جہاں جائے

جہاں دیوانے فرزانوں کو دیوانہ سمجھتے ہوں
نہ جامِ سم وہاں سقراط پی لے تو کہاں جائے

مسلّم راہزن کے ہاتھ قندیلِ قیادت ہے
ہم آغوشِ نحوست کارواں چاہے جہاں جائے

مرے حیرت کدہ پہ آپ کو ارض و سما دیکھیں
یہی صرف ایک صورت ہے مرا ورنہ جہاں جائے

نیا تخلِ سیاست، تجربہ گہ بھی نئی انجم
ادھر سے ہو گیا بیزار تو جانے کہاں جائے

خالی ہے دل کہ چشمِ عنایت میں کچھ نہیں
ہے التجا میں جوشِ شکایت میں کچھ نہیں

کہتے ہیں حُسن، حُسنِ تناسب کا نام ہے
سرخ و سفید مٹی کی مورت میں کچھ نہیں

ہے کائنات عشق و محبت کا معجزہ
کیا تاج محل عشق و محبت میں کچھ نہیں

اک سجدۂ خلوص سے میں پر امید ہوں
زاہد تیری طویل عبادت میں کچھ نہیں

کلچر بدل دیا ہے نئے اقتدار نے
سچ چھپ نہیں سکا تو وزارت میں کچھ نہیں

کیا سوچتے ہیں پیر و جواں آج کل یہ بات
سب کچھ تو پیار میں ہے عداوت میں کچھ نہیں

منشور کے بغیر ہی جیتا ہوں انتخاب
جمہور بے شعور حقیقت میں کچھ نہیں

دولت کو وہ غرور پیمبر خرید لے
پھر بولا اقتدار کہ دولت میں کچھ نہیں

یہ کوئے پرفریب بھی عاری سکوں سے ہے
کہتے ہیں باضمیر سیاست میں کچھ نہیں

جو پھول دلفریب ہیں خوشبو سے پاک ہیں
سیرت کی ہے تلاش تو صورت میں کچھ نہیں

پگڑی کو دونوں ہاتھ سے انجم سنبھالیے
بد بخت کہہ رہے ہیں شرافت میں کچھ نہیں

ہیں دوستوں میں یا کہ ترے دشمنوں میں ہم
گل پاش تو رہے ہیں ترے راستوں میں ہم

جوشِ ہجومِ یاس سے گھبرا گئے ہیں ہم
خوش ہیں جہاں گھرے ہیں پریشانیوں میں ہم

غیروں کے نام ہوں کہ مرے محسنوں کے نام
عنوانِ گفتگو ہیں تمہارے خطوں میں ہم

اپنوں کے سامنے ہیں تغافل زدہ مگر
ہیں غیر کی نظر میں ترے محرموں میں ہم

جن پتھروں کو ہم نے تراشا وہ بول اٹھے
افسوس ہے کہ پھر بھی نہیں شاعروں میں ہم

جن رہزنوں کو جشن منانے سے کام ہے
وہ چاہتے ہیں ان کو گنیں رہبروں میں ہم

دشمن ہے رنگ و بوئے چمن پر فریفتہ
مصروف شیش محل کی آرائشوں میں ہم

محفل میں تیری ذات سے غافل نہیں رہے	ہیں پوجتے رہے تجھے تنہائیوں میں ہم

صد ہا بنائے دوست تلاشِ خلوص میں	کو ہر تلاش کرتے رہے پتھروں میں ہم

چہرہ تو دیکھ پائیں گے آئینہ دیکھ کر	دل کو نہ پا سکیں گے مگر آئینوں میں ہم

گل چیں کی چشمِ بد کے اثر سے بچے رہے	ہم تھے کنول کھلے ہیں کُھلے پانیوں میں ہم

رہبر اگر ملے تو قفس ہی کو لے اڑے	ہم بزدلوں میں ہیں نہ شکستہ پروں میں ہم

احباب کے خلوص سے بے زار ہو کے ہم	خاموش ہو کے بیٹھ گئے ہیں گھروں میں ہم

فنکار ہم نہیں مگر اہلِ نظر تو ہیں	مدت ہوئی کہ بیٹھے رہے شاعروں میں ہم

چاہیں تو بازوؤں کو ملا دیں دلوں سے جب
انجمؔ الجھ گئے ہیں مگر سازشوں میں ہم

اے دوست بحثِ عشق میں یکسر فضول ہے
مجھ کو وفا کے نام پہ سب کچھ قبول ہے

ڈسنے کو آ گئی ہے کرن ماہتاب کی
کو دل فراقِ یار میں پہلے ملول ہے

ہر پھول کو ہے خار کا کھٹکا لگا ہوا
سچ یہ بھی ہے کہ خار کا ممنون پھول ہے

اے دوست تیری یاد سے ہے ذہن عطر بیز
ہر زخمِ دل گلاب ہے ہر داغ پھول ہے

کانٹا کہوں میں پھول کو میرا نہیں ضمیر
سچ ہے کہ خار خار ہے اور پھول پھول ہے

کانٹا ہے وہ کہ جس نے چمن کو لہو دیا
خونِ بہار جس نے پیا ہے وہ پھول ہے

جب معتبر نہیں تھا مرا عشقِ بدگماں
اب حُسنِ خود فروش کا رونا فضول ہے

لٹ کر سمجھ رہے ہیں کہ نادم ہے راہزن
کتنی حَسین اہلِ مروّت کی بھول ہے

انجمؔ خوشامدی نہیں ہے باضمیر ہے
بدنام اس لیے ہے کہ وہ با اصول ہے

پل بھر وہ چاند چمکا یوں قلبِ اداس پر
جلوہ فروز اوس ہو جس طرح گھاس پر

ساقی کو مجھ پہ رحم نہ ہے میری پیاس پر
اب ٹالنے لگا مجھے دو اک گلاس پر

رندانِ میکدہ کہ ہیں ساغر بکف تمام
شربت کا کیا گماں کریں تیرے گلاس پر

کمرے میں میرے جلتی رہی شمعِ انتظار
دِل بھی جلا ہے عہدِ وفا کی اساس پر

رشتہ ہو قلب و جان کا یا سایہ جسم کا
ایسے وہ چھا گئے مرے ہوش و ہواس پر

دل دیکھتے ہیں اہلِ نظر چہرہ دیکھ کر
کیا کچھ کھلا لباس سے گوہر شناس پر

وہ صبح زندگی جو تمنائے وصل تھی
وہ شامِ زیست میں ڈھلی ملنے کی آس پر

ان خارزارِ زیست کے ماروں کی لیں خبر
سوتے ہیں زر پرست جو پھولوں کی باس پر

ہم نگہبانِ گل ہیں مگر بزمِ ناز میں
آیا گلوں کو رحم بھی کانٹوں کی پیاس پر

آئینہ رو ہے دل کہ ہے سنگِ سیہ مگر
زنہار بھولنا نہیں اعلیٰ لباس پر

انجم انہیں تو گھر سے نکلنے نہ دے کوئی
اور آپ منتظر رہیں چیئرنگ کراس پر

لب پہ ہے تیرے در کی کبھی سنگِ در کی بات ‏ ‏ ‏ کرتے ہیں درد مند ہی دردِ جگر کی بات

رخسارِ گل پہ تھوک رہا ہے جو بے ضمیر ‏ ‏ ‏ کیسے کرے پسند کوئی کم نظر کی بات

فطرت کے جو اصول ہیں ان کا بدل کہاں ‏ ‏ ‏ ہو لاکھ دلفریب بظاہر بشر کی بات

فنکار کی نظر میں ہو جادو تو کیا بعید ‏ ‏ ‏ پتھر سے بھی نکال لی جس نے گہر کی بات

گلناریاں چمن میں دلِ خوں شدہ کی ہیں ‏ ‏ ‏ عنوانِ بزمِ غیر ہے لختِ جگر کی بات

چلتی ہے ایک جلوۂ گل سے چمن کی بات ‏ ‏ ‏ ہوتی ہے پیدا حُسن سے حُسنِ نظر کی بات

جب تک جوان خون رگوں میں ہے موجزن ‏ ‏ ‏ آتی نہیں سمجھ میں کبھی خشک و تر کی بات

اے زر پرست دستِ سخاوت کہیں سے لا ‏ ‏ ‏ افلاس کا علاج نہیں مال و زر کی بات

باقی وفا کا لفظ ہے معدوم ہے وفا ‏ ‏ ‏ سادہ ہیں چھیڑتے ہیں جو قلب و نظر کی بات

پہلو بدل بدل کے گزاری تمام رات ‏ ‏ ‏ کانوں میں گونجتی رہی بیدادگر کی بات

ہنستے رہے ستارے مرے حالِ زار پر ‏ ‏ ‏ پہنچی ہے آسماں پہ مری چشمِ تر کی بات

انجم کسی پہ زخمِ دروں کو عیاں نہ کر
بہتر یہی ہے گھر میں رہے اپنے گھر کی بات

غزل کدے میں چراغاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
غزل غزل میں گلستاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خزاں بدوش بہاروں کے نقش فانی ہیں
جو دل میں جشنِ بہاراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

فگار قلب و جگر ہیں بہار میں گل بھی
خزاں میں چاک گریباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

فلک پہ تیرا تصور فضا میں تیرا خیال
نظر میں شہرِ نگاراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

چمن پہ عکسِ تبسم فضا میں جنبشِ زلف
دلِ حزیں پہ جو احساں نہیں تو کچھ بھی نہیں

زباں پہ پہرہ لگاؤ قلم کے ٹکڑے کرو
دماغ زینتِ زنداں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تمہارے تاج سکندر پہ خاک ہے ظالم
دلوں میں عظمتِ انساں نہیں تو کچھ بھی نہیں

رُخِ عروسِ حریت تو کیسے دیکھے گا
جنون و جذبہء زنداں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضیائے شمس و قمر تو چمن میں ہے انجم
جو عکسِ خونِ شہیداں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کون گلرو یاد آیا صحنِ گلشن دیکھ کر
کس کا جوبن یاد آیا گُل کا جوبن دیکھ کر

قسمتِ آزادِفطرت میں ہیں گر سو آشیاں
غم نہیں ٹوٹی ہوئی شاخِ نشیمن دیکھ کر

رک گئے رونے لگے بہرِ دعا ہاتھ اٹھ گئے
پھول مرجھائے ہوئے بالائے مدفن دیکھ کر

پھول شکلوں،خوشبوؤں، رنگوں، بناوٹ میں جدا
کہتے ہیں مانو خدا کو جدّتِ فن دیکھ کر

میرا ملبوسِ تخیّل صاف کیا شفاف ہے
معنوی صورت نظر آتی ہے چلمن دیکھ کر

اشکِ شبنم،خندۂ گل، دوریٔ مرگ و حیات
بارہا سوچا ہے میں نے صحنِ گلشن دیکھ کر

وقتِ عرضِ حالِ صد چاکِ جگر کہنے لگے
کل سنیں گے تیرے دل کی تیز دھڑکن دیکھ کر

خیرہ کن تھا آفتاب اور چاند ہے ٹوٹا ہوا
خوش ہوا جاتا ہے جی انجم کو روشن دیکھ کر

منسوب کس طرح سے ہوئی جل پری کی بات
میں تیرگی میں تھا کہ ہوئی روشنی کی بات

اب مندمل ہوئے ہیں مرے دوست زخمِ دل
بدنام ہو چکی ہے، نہ کر دوستی کی بات

دائم مرا جنون رہا ہے عروج پر
میرے لبوں پہ آ نہ سکی آگہی کی بات

سمجھا سکا نہ کوئی بھی مفہومِ زندگی
دل میں اتر سکی نہ کسی فلسفی کی بات

اب کیا کریں کہ سارے ہی سرکش مزاج ہیں
لگتی نہیں ہے اچھی کسی کو کسی کی بات

بچ کر کہیں گے سایۂ خوف و ہراس سے
دیوانگی کے روپ میں فرزانگی کی بات

تو بزمِ اقتدار میں ہے صرف چار دن ہے شعلۂ شباب گھڑی دو گھڑی کی بات
اب حُسن میں کشش ہے نہ وہ سوزِ عشق میں ہے کاروبار رسم و رہِ عاشقی کی بات
یہ سوچ کر کہ دولتِ غم کو دوام ہے ہم رو دیے جو چھیڑی کسی نے ہنسی کی بات
ساقی نے اپنی بزم کا آئیں بدل دیا ہے قتلِ آرزو بھی جہاں دل لگی کی بات
سوئے تھے تیرگی سے لپٹ کر جو بے ضمیر کرتے ہیں صبح صبح وہی روشنی کی بات
ملکِ ادب میں شہرہ عروسِ غزل کا ہے جب بھی چلی غزل پہ رکی شاعری کی بات

انجم نہیں ہے ترکِ تمنا علاجِ غم
جائز نہیں ہے عشق کو چارہ گری کی بات

انجم سے آسماں سے نہ ہے ماہتاب سے
پردہ عروسِ شام کو ہے آفتاب سے

ہیں رند بے نیاز گناہ و ثواب سے
افطار کر رہے ہیں پرانی شراب سے

ابھرے وفا کے نقش ہیں یادِ شباب سے
جیسے کہ خشک پھول ملے ہوں کتاب سے

یہ وقت کا ستم ہے یہ قسمت کی بات ہے
کاسہ بدست پھرتے ہیں چہرے گلاب سے

وہ چاند حسبِ وعدہ نہ آیا جو چاند رات
شب بھر میں ہم کلام رہا ماہتاب سے

زخموں کی داستان سے ہے سرخ ہر ورق
پڑھیے تو کچھ ہماری کتابِ شباب سے

اچھا ہے سائے ڈھلتے رہیں تاج وتخت کے
ہو گا شعورِ قوم فزوں انقلاب سے

دوشِ عقابِ فکر پہ کی آسماں کی سیر
تارِ نظر الجھ گئی لفظِ کتاب سے

میرے ہر ایک شعر میں ہے عکسِ رخ ترا
شعروادب ہے مجھ سے میں تیرے شباب سے

ساقی ترے کرم پہ ہے قسمت کا فیصلہ
ہر رند ملتجی ہے نگہ انتخاب سے

تیرا ہر حرفِ زباں طنز کا نشتر نکلا
میں تو ہر بار تری بزم سے ڈر کر نکلا

کیسے اس دور کے انسان کو انسان کہوں
جس کا ہر فعل ہی شیطان سے بدتر نکلا

کس لیے تیز نہ اشعار کی تلخی ہوتی
میرے الفاظ کے ہر پہلو سے نشتر نکلا

دل سے نکلا ہے کبھی میرے جگر سے نکلا
میرا ہر قطرۂ خوں شعر میں ڈھل کر نکلا

میرا دل کیا ہے جواہر کا خزینہ جس سے
جو بھی دامن میں گرا چشم سے گوہر نکلا

نہر، دریا و سمندر بھی ہیں گہرے لیکن
سب سے گہرا تو ترے دل کا سمندر نکلا

جامِ رنگیں جو عطا تو نے کیا ہے مجھ کو
دل میں جب اترا وہی زہر کا ساغر نکلا

میں نے پوجا تھا خدا جس کو سمجھ کر انجم
ہائے وہ سردیٔ جذبات سے پتھر نکلا

کیسے کہ ہم بھی شکوہ بہ لب ہیں کرم نہیں
کس طرزِ التفات میں لیکن ستم نہیں

قلب و جگر فگار ہیں پلکوں پہ نم نہیں
عکاسِ رخ ہے آئینہ عکاسِ غم نہیں

ہر لمحہ غم فزا ہے پھر اِس دورِ خاص میں
پتھر سے کم نہیں وہ جسے کوئی غم نہیں

لالہ میں ہے وہ رنگ نہ خوشبو گلاب میں
پہلا سا اب وہ کاکلِ سنبل میں خم نہیں

اپنے وطن میں اہلِ سیاست کی بزم میں
یا ہاتھ ہی قلم ہیں یا اہلِ قلم نہیں

دل میں ہی تاب ہے نہ جگر میں لہو کی بوند
آنکھوں میں اب تو اشک بھی تیری قسم نہیں

کچھ پھول شاخِ دل پہ رہیں گے سدا بہار
موسم خزاں کے ہوں کہ بہاروں کے غم نہیں

ہوتے رہے ہیں پیدا ہر اک دور میں یزید
لیکن کسی حُسین کی گردن میں خم نہیں

یہ میں ہی جانتا ہوں گزاری ہے کس طرح
لیکن مری حیات کا عنوان غم نہیں

انجم تری نظر ہو بلند اور بات ہے
ورنہ غریب خانہ مرا دو قدم نہیں

آتے ہیں خواب گیسو و رخسار و خال کے
شام و سحر اسیر ہیں تیرے خیال کے

لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی بے خودی مری
جیسے قریب آتے گئے دن وصال کے

تیرے بغیر ہو گئی بے کیف زندگی
پل پل لگے ہیں دوست مجھے سال سال کے

گو دورِ ہجر کشمکشِ مرگ و زیست تھا
رکھی ہے تیرے غم کی امانت سنبھال کے

مجھ کو ترے فراق میں آئی نہ موت بھی
ہیں کتنے پرفریب یہ وعدے وصال کے

دل میرا جل کے آتشِ غم سے کباب ہے
مجھ کو تڑپتا چل دیے دوزخ میں ڈال کے

نو بج رہے ہیں چاندنی شب برف پاش ہے
ہم کس کے منتظر ہیں کنارے پہ مال کے

یہ بوالہوس ہیں بزم میں تیری براجمان کیسے جیے گا بازیاب ذرا دیکھ بھال کے

زردار بن رہے ہیں جو شب بھر میں بے ضمیر قائل نہیں رہے وہ حرام و حلال کے

میں دوزخِ فراق میں جلتا ہوں روز و شب لے جائے کون مجھ کو یہاں سے نکال کے

آخر ملی ہے اپنے کیے کی سزا مجھے وہ سانپ ڈس گیا ہے جو رکھا تھا پال کے

انجم کسی طرح نہ فریب ان سے کھایئے
رومال چاہتے ہیں جو بدلے میں شال کے

کاسہ بدست تھا یا وہ گوہر فروش تھا
وہ ہلِ دل تھا عشق کا حلقہ بگوش تھا

شیشے تو تھے جدید پرانی شراب تھی
مجھ رہد پختہ کار کو اتنا تو ہوش تھا

دل مطلق العنان تھا دورِ شباب میں
لیکن دماغ خوف کے باعث خموش تھا

پیری میں بھی دماغ تھا فن کارِ باکمال
اس وقت دل مریضِ تمنا فروش تھا

زرپاش میرے باغِ سیاست کی ہے نسیم
قارون بن گیا ہے جو خانہ بدوش تھا

رقصاں ترے نقوشِ قدم کوبکو تھے صبح
شاید چراغ میری گلی میں خموش تھا

مسموم ہو چلی تھی فضا کائنات کی
ہر بوالہوس کے ساتھ کوئی زرد پوش تھا

اک دور تھا کہ تھی نہ خبر دھوپ چھاؤں کی
یہ میں نہیں تھا' میری جوانی کا جوش تھا

انجم ہے آج تیرے قلم کی زبان خشک
کیوں کیا ہوا! خیال کا دریا خموش تھا

واچشمِ انتظار ہے لب ہیں سلے ہوئے
میں سہہ رہا ہوں دوست ترے غم دیے ہوئے

ویران کر چلے ہو مرا شہرِ آرزو
گزرے تھے چند روز ہی جس کو بسے ہوئے

یوں کوہِ غم سے دوشِ تمنا خمیدہ ہے
بارِ نشہ سے رند ہوں جیسے جھکے ہوئے

کچھ لوگ مر کے زندۂ جاوید ہو گئے
کچھ لوگ جی رہے ہیں مگر ہیں مرے ہوئے

محبوس مصلحت کے قفس میں ہیں بے ضمیر
ہیں با ضمیر زینتِ زنداں بنے ہوئے

ملتا تھا زیرِ بحرِ الم گوہرِ حیات
ساحل پہ ہم تھے خوف سے کشتی لیے ہوئے

ملتے ہیں میرے شعر میں تیرے نقوشِ حسن
مصرعے ترے شباب کا ہیں خوں پیے ہوئے

جو ڈھونڈتے ہیں سنگِ جفا مار کر خوشی
دیکھے ہیں ایسے لوگ بھی میں نے گرے ہوئے

گل چینیوں میں انگلیاں زخمی نہ ہوں کہیں
ہوتے ہیں خار پہلوئے گل میں چھپے ہوئے

کھائی ہیں تم نے ٹھوکریں جن کی تلاش میں
انجم گزر گئے وہ تمہیں دیکھتے ہوئے

مجبور جو ہے پھول کو پتھر کہے بغیر
احساسِ جاں کو کیا کہے نشتر کہے بغیر

کہتا ہوں کوئی بات تو کٹ جائے گی زباں
دل میں خلش رہے گی نہ منہ پر کہے بغیر

ہوتا ہے تازہ زخمِ جگر پھول دیکھ کر
اب کیا کہوں بہار کو نشتر کہے بغیر

میری دعا خلا میں معلق ہے تا ہنوز
کہیے خدا کو کیا کہیں پتھر کہے بغیر

دل سے جنوں کا ربط خرد کا دماغ سے
قائل نہیں خرد کو میں راہبر کہے بغیر

مجرم مجھے سمجھ کے جو سر پہ لٹک گئیں
شاخوں کو کہیے کیا کہیں خنجر کہے بغیر

آنکھوں، لبوں، جبین پہ لکھی عبارتیں
پڑھتا ہوں اور سمجھتا ہوں بہتر کہے بغیر

مینا کو جام، جام کو مینا کہے چلیں
چلتا نہیں ہے کام بھی 'لیس سر' کہے بغیر

جن کے ضمیر و ذہن پجاری ہیں وقت کے
کیوں کر رہیں وہ چور کو لیڈر کہے بغیر

کہتا ہوں دل کو مئے کدہ، خونِ جگر کو مئے
آنکھوں کو اور کیا کہوں ساغر کہے بغیر

انجم یہ تیرے اپنے مقدر کی بات ہے
چارہ نہیں ہے چور کو دلبر کہے بغیر

عاشقِ زار کی آج ان کو خبر جاتی ہے
آہ کہتے ہیں کہ ہر دل میں اتر جاتی ہے

زخم ہوتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی ہے
زخم ابھی بھرتا نہیں عمر گزر جاتی ہے

انگلیاں اپنی میں جب شانہ بنا لیتا ہوں
ان کی زلفیں مری تقدیر سنور جاتی ہے

غم ضروری ہے کہ یہ جینا سکھا دیتا ہے
زندگی ورنہ بہر طور گزر جاتی ہے

تیری یادیں تو مجھے خون رلا دیتی ہیں
تیری سوچوں میں مری رات گزر جاتی ہے

جب یہ انسان ہے تخلیقِ خدا کا شہکار
حورِ جنت پہ کہاں میری نظر جاتی ہے

حشر تک چین ملے آج بھی آجائیں اگر
وقتِ آخر کی انہیں آج خبر جاتی ہے

صورتِ شانہ صد چاک ہے دامن انجم
میری آغوش سے تنویرِ سحر جاتی ہے

سورج چمک رہا ہے رخِ یار کی طرح
شب پھیلتی ہے کاکلِ خمدار کی طرح

دل ہے مرا کھلا ہوا بازار کی طرح
تشریف آپ لائیں خریدار کی طرح

پھیلی ہے دور میرے خیالوں کی روشنی
جلتا ہوں آفتابِ ضیا بار کی طرح

لوٹا ہے مجھ کو گردشِ دوراں نے بارہا
خالی ہے ذہن کیسۂ نادار کی طرح

اقرار اسی زباں سے کرے وہ ستم ظریف
ڈالی ہے جس زبان سے انکار کی طرح

گلزارِ ہست و بود میں لمحاتِ عیش و غم
رہتے ہیں ساتھ ساتھ گل و خار کی طرح

لہرا گئی جو برقِ تبسم تہِ نقاب
میں گر گیا زمیں میں گنہگار کی طرح

اثراتِ نو سے عارضِ ملّت ہے داغدار
چیچک زدہ نحیف سے بیمار کی طرح

کو غم کی دوپہر میں بڑی تیز دھوپ ہے
ہے تیری یاد سایۂ دیوار کی طرح

ہے میرا ہاتھ اہلِ تمنا کی نبض پر
جو چل رہی ہے وقت کی رفتار کی طرح

تصویر تیری بن گئی تجسیمِ فکر سے
قرطاسِ دل پہ نقشِ قلم کار کی طرح

چھپتا ہے جو کلام نقوش و فنون میں
اس کو ادیب پڑھتے ہیں اخبار کی طرح

زندہ ضمیر نعمتِ عظمیٰ ہے دوستو
سچ کہہ رہا ہوں شاعر خوددار کی طرح

دھویا ہے پچھلی رات کو اکثر غبارِ غم
ابلے جو اشک چشمۂ اشعار کی طرح

مرقوم ہے جبینِ زمانہ پہ میرا نام
روشن ہے صاف سرخیٔ اخبار کی طرح

ہم دشتِ آرزو میں رواں ہیں برہنہ پا
پھر بھی ہیں لوگ دیکھتے غدار کی طرح

انجمؔ غزل کی زلف میں شانہ کیے چلو
جاں سے رکھو عزیز غمِ یار کی طرح

جو دل میں لے کے امیدِ وصالِ یار چلے
چلے جو بزم سے تیری تو اشکبار چلے

قفس کو توڑ کے بھی ہم کریں گے استقبال
چلے چلے تو سہی بادِ نو بہار چلے

تمہیں ہے رنگِ حنا پر، ہمیں وفا پہ غرور
تمہاری جیت کی خاطر، دل اپنا ہار چلے

جنابِ شیخ رہے ہیں انہی سے برگشتہ
ترے سلام کو ساقی جو بادہ خوار چلے

عروسِ شام کی زلفیں سنوارنے کے لیے
لو کس ادب سے ہے مشرق کا تاجدار چلے

نظر بھی آئے تو کیسے ملاپ کی صورت
بدل کے مجھ سے ہمیشہ وہ رہ گزار چلے

فگار قلب و جگر ہیں فراق میں انجم
کسی کی یاد کے نشتر جو بار بار چلے

اب لوگ پوچھتے ہیں مجھے گام گام پر
ہے کون جس کا خوں ہے رخِ شام شام پر

مضموں ملے قلم کو مرے حُسن و عشق کے
لکھے گئے فسانے ترے گام گام پر

بھولی مجھے سیاستِ افراطِ زر کی بات
جب جسم بکتے دیکھے گئے دام دام پر

میرے جنوں میں اتنا اثر تو ہے دوستو
آئے ہیں مجھ کو جلوے نظر بام بام پر

حالاتِ زندگی سے سکھائی ہے تم نے جنگ
چھوڑے ہیں نقش ہائے عمل گام گام پر

چھائی گھٹا ہے جام پیو آج میکشو
نام اپنا لکھا دیکھ تو لو جام جام پر

جس رہگذر سے تیرے گزر کی خبر ہوئی
سجدہ کناں رہا ہے جنوں گام گام پر

رنگِ حنائے کف سے ہے دامانِ صبح سرخ
ہوتا اسی کا عکس ہے ہر شام شام پر

شعر و شراب و حُسن کا نشہ ہے مختلف
انجمؔ ہیں بدلے روپ کئی نام نام پر

چلمن اٹھا کے برقِ تبسّم گرا کے دیکھ
اے دوست مجھ کو بہر خدا آزما کے دیکھ

شیشے میں تیرے آتشِ سیال گر نہیں
ساقی مری نظر سے نظر تو ملا کے دیکھ

ہے صبح فرشِ برف جو پانی تھا شام کو
آ معجزات جھیل میں آب و ہوا کے دیکھ

ہے چہرہ داغدار ترا آئینہ نہ توڑ
آفاقؔ دل سے بغض کے بادل ہٹا کے دیکھ

بجھتا نہیں ہے وقت کے مرہم سے داغِ عشق
پانی میں آگ لگتی نہیں ہے لگا کے دیکھ

شرفائے بے ضمیر میں یارب میں گھر گیا
دو چار دن زمیں پہ ذرا تو بھی آ کے دیکھ

ہفت آسماں کا بوجھ پرِ کہ لگا تجھے
دردِ شبِ فراق کا پتھر اٹھا کے دیکھ

ہر آدمی ہے سجدہ طلب گام گام پر
انجمؔ تو پھر بھی حوصلے میرے خدا کے دیکھ

کر طوفِ شمعِ حُسن بھی طوفِ حرم کے بعد
توصیفِ یار خوب ہے حورِ ارم کے بعد

پرخار راہِ شوق ہے پرپیچ دم بدم
ہمت شکن ہیں شیخ سے ہر ہر قدم کے بعد

اک تازہ غم ملا ہے جسے شامِ آرزو
تریاق کب ملے گا اسے زہرِ غم کے بعد

اس وقفۂ ستم میں بجھی تشنگی دید
تلوارِ ظلم کھینچی جو تیرِ ستم کے بعد

جب بھی کسی نے پوچھا ہے ہم سے مزاج تو
اک لفظ تک نہ کہہ سکے چشمِ کرم کے بعد

خوفِ جفا سے ترکِ تمنا کروں تو کیوں
ہو گا رحیم حُسن بھی مشقِ ستم کے بعد

دیوانگانِ عشق کا حُسنِ نیاز دیکھ
سوگندِ غیر کھائی نہ تیری قسم کے بعد

ہائے فراقِ یار میں اشکوں کے سلسلے
ہستی تھی نیند دور ہی شامِ الم کے بعد

رکھا ہے پاک کعبۂ دل ہم نے اِس طرح
ابھرا نہ کوئی نقش ہی نقشِ صنم کے بعد

بخشا ہے زندگی کو غمِ عشق نے سرور
ممکن نہیں نصیب ہو وہ جامِ جم کے بعد

تھا گلستانِ آرزو انجم شباب پر
اجڑا خزاں سے پہلے ہی طوفانِ غم کے بعد

تو بھی تنہائی کے صحرا میں ہے تنہا اب تک
تھا طلب گار میں تیرا ہوں اکیلا اب تک

تو وہ غنچہ کہ صبا نے بھی نہ چوما جس کو
میں ہوں وہ خار کہ ہر آنکھ میں کھٹکا اب تک

تو وہ موتی کہ ہے آغوشِ صدف میں مخفی
میں وہ سنگریزہ جو راہوں پہ ہے بکھرا اب تک

تو وہ بت ہے کہ جسے لوگ خدا کہتے ہیں
میں وہ زاہد کہ نہیں خود سے شناسا اب تک

تو وہ دامن کہ جواہر سے ہوا ہے لبریز
میں ہوں وہ اشک جو پلکوں پہ ہے لرزاں اب تک

ایک مدت سے تری بزم میں اٹھا بیٹھا
پر نہ سمجھا تو مرا حرفِ تمنا اب تک

میں وہ فنکار جسے تیری ثنا لکھنا تھی
اس کی تمہید کا مصرع بھی نہ سوچا اب تک

عمر بھر تیری فقط تیری تمنا کی تھی
جس کی ناکامی کا ہوتا رہا چرچا اب تک

دل کے آئینے میں تصویر رہی ہے تیری
اور تجھے شعر کے سانچے میں نہ ڈھالا اب تک

تھا نہاں تیرے تبسم میں جو زخموں کا علاج
چارہ کرتا رہا بے چارہ مسیحا اب تک

تم خدا جان کے پوجا کیے جس کو انجم
کیا تمہیں اس نے پرستار بھی سمجھا اب تک

دنیا نہ تھی کہ ساتھ ہی میرے خدا نہ تھا
جب آپ ساتھ تھے تو مرے ساتھ کیا نہ تھا

عرفانِ ذات ہی اگر مقصد ترا نہ تھا
وہ مدعا ہی کیا یہ اگر مدعا نہ تھا

مجھ کو تو بھوک پیاس کا احساس تک نہ تھا
دن بھر ترے فراق میں روزہ لگا نہ تھا

جب مرتبے میں سب کے برابر تھا دوست تھا
افسر بنا تو کون تھا جس کو گلا نہ تھا

کوئی تو چور اس کے بھی دل میں ضرور تھا
میں دیکھتا تھا جب اسے وہ دیکھتا نہ تھا

مجبورِ خود سپردگی جس نے کیا تجھے
میرا شباب ہی کہیں تیرا خدا نہ تھا

جنت کا حرص، خوفِ جہنم، خودی کی بات
تیرے سوا تو میرا کوئی مدعا نہ تھا

بھائی کا خون دوست سے پہلے ہی چوس لے
انسان اس سے پیشتر یوں سوچتا نہ تھا

کس کس کے خوں سے ہے ترا داماں لہولہو　　ایسا تو کوئی راہنما بھی برا نہ تھا

سوز و گداز تھا کہ سمندر تھا آنکھ میں　　سیلاب اشک اِس طرح پہلے چلا نہ تھا

اب ہر جگہ مزار ہیں کچھ شخصیات کے　　یوں پتھروں کو پہلے کوئی پوجتا نہ تھا

اتنے تو سستے بکتے نہیں تھے کبھی ضمیر　　ایسے تو اقتدار کو سجدہ ہوا نہ تھا

سچ جھوٹ میں تمیز نہیں ہے نکل کے دیکھ　　یوں بے تحاشا جھوٹ کوئی بولتا نہ تھا

تقریبِ اعترافِ وفا میں جو داد دی　　میری وفا کا اِس سے تو بہتر صلہ نہ تھا

خیبر شکن ہیں بچھڑے ہوئے آج اِس طرح　　سر کربلا میں جیسے کٹا تھا جھکا نہ تھا

انجمؔ تجھے رقیب نے چاہا کہ جیت لے
اِس واسطے تو شاعرِ اعظم کہا نہ تھا

فریب کھایا ہے کی جس سے دوستی میں نے   یہ تار تار قبا بار بار سی میں نے
تمہارا گھر نہیں ڈھونڈا ملا ملا نہ ملا   بلند مرتبہ کر دی ہے عاشقی میں نے
ہر ایک چہرہ کشا ہے مرا سرِ محفل   وطن کو بیچ کے کیا کی ہے خودکشی میں نے
سسک رہی ہے کہیں جگمگا رہی ہے کہیں   ہزار رنگ میں دیکھی یہ زندگی میں نے
تجھے وفا سے ہے نفرت تو میرا حشر بھی دیکھ   ترے لیے تو جہاں سے بگاڑ لی میں نے
تڑپ تڑپ کے گزاری ہے داورِ محشر   صلیبِ خار پہ شبنم کی زندگی میں نے
اِسی امید پہ شاید کہ آپ گزریں گے   شبِ حیات سرِ راہ گزار دی میں نے
یہ سوچ کر کے ہنسی کا مآل کیا ہو گا   ہنسی تو آئی تھی مجھ کو پہ روک لی میں نے
جبینِ شافعِ محشرؐ میں رقص فرما تھی   فرازِ طور جو دیکھی تھی روشنی میں نے
تجھے جو مانا تھا میں نے خلافِ عقل و ضمیر   تمہارے دور میں دیکھی نہ کچھ خوشی میں نے

وہ خوش نصیب ہے انجم کہ جس کا دوست نہیں
جمع کیے ہیں فقط زخم دوستی میں نے

رہیں گے راہبر اسٹیج پر شعلہ فشاں کب تک
ہمیں ٹرخائیں گے وعدوں پہ دے کر یہ بیاں کب تک

وفائیں کر کے ہم کرتے رہیں گے رائیگاں کب تک
حسیں لیتے رہیں گے عاشقوں سے امتحاں کب تک

فضائے خانہ جن کی مسکراہٹ سے منوّر ہو
جنوں مندروں کی محفل میں وہ دیں گے امتحاں کب تک

ترے رسمی تبسم سے عدو ہشیار ہے پہلے
تری سانسوں کی گرمی سے اٹھیں گی بجلیاں کب تک

سرِ منزل اگر تبدیل ہو جائے ترا رہبر
نجانے ٹھوکریں کھاتا پھرے گا کارواں کب تک

ہمیں تو باغباں کی نفرتوں کے زخم سہنے ہیں
رہے گی ہم سے برگشتہ نگاہِ باغباں کب تک

کلائی ٹوٹ جائے اور نہ موچ آ جائے پاؤں میں
اٹھا رکھے گا فیلِ مست پر گرزِ گراں کب تک

جہاں پر عالم و جاہل برابر سمجھے جاتے ہیں
وہاں زردار ہوں گے عالموں کے ترجماں کب تک

جیالے کارکن جو تھاپ پر نعروں کی رقصاں ہیں
مقاصد کی کریں گے پیش یہ قربانیاں کب تک

مسائل بڑھتے جاتے ہیں وسائل گھٹتے جاتے ہیں
بھریں گے پیٹ وعدوں سے یہ مزدور و کساں کب تک

نجانے کیوں قلم کاروں پہ خاموشی مسلّط ہے
مرے اہلِ قلم دیکھیں گے نورا کشتیاں کب تک

نہیں جب ضبطِ گریہ پر کوئی قدرت تمہیں انجم
تمہارا درد پھر کیسے چھپاتا رازداں کب تک

ہر شاخِ گل مرے خوں سے تر مرا سایہ نرگس زار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

میں وہ غم نصیب شہید ہوں جسے کھینچا یاروں نے دار پر
وہ نجانے دیپ جلا گئے ہیں کیوں آج میرے مزار پر

ہم اہلِ فن کو غریب ہیں، ہمیں دورِ نو کے نقیب ہیں
ہے نظر اگر مہ و سال پر تو گرفت لیل و نہار پر

ترا عشق تحفہء زندگی، ترا وصل حاصلِ زندگی
مجھے لوگ کہتے ہیں سادہ دل تری نعمتوں کے شمار پر

ہمیں دیکھتے تھے جناب پر اثر اپنی آتشِ عشق کا
یہ خبر تو تھی ہمیں پہلے بھی تمہیں غصہ آتا ہے پیار پر

جو کمال ہے ترے ظرف کا وہ مری نظر میں زوال ہے
نہ خوشی ہوئی مجھے جیت پر نہ ملول ہوں کبھی ہار پر

جو نگاہیں مست شباب سے ہیں خمار میں مئے ناب سے
کیوں نہ آبِ حیواں کو بیچ دوں اِسی ایک جامِ خمار پر

عظمتِ آدم

عظمتِ آدم جو دنیا میں ہے اس کے دم سے ہے
عظمتِ اوجِ مقامِ شیخ مکتب دیکھئے
کامیابی بھی جو عقبیٰ میں ہے اس کے دم سے ہے
اس کا فن کردار سازی اس کی صنعت دیکھئے

وفا کے پھول

شہیدوں کے مزاروں پر وفا کے پھول برساؤ
وطن کی سر زمیں پر پرچم اسلام لہراؤ
جوانو چھ ستمبر کے اگر حالات پیدا ہوں
تو اپنے خون سے گیسوئے حریت کو مہکاؤ

اندازِ بیاں

اب حقائق پہ بھی خوابوں کا گماں ہوتا ہے
اور خوابوں میں حقائق کا نشاں ہوتا ہے
ایک ہی بات کو فنکار بیاں کرتے ہیں
اپنا اپنا مگر اندازِ بیاں ہوتا ہے

نشہء اقتدار

سرمایہ دار دوست ہے جاگیردار کا
لیتے ہیں باری باری نشہ اقتدار کا
کتنا بڑا فریب ہے بھولے عوام سے
ہے جن کو فخر و ناز شمار و قطار کا

طرزِ حکومت

کل بحث کا عنواں تھا یہی بزمِ چمن میں
شکوہ تھا یہ زاغوں کا عنادل کے دہن میں
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
زردار مسلّط ہیں غریبوں پہ وطن میں

تیرگی

وطن ڈوبا ہوا ہے تیرگی میں
مگر حاکم ہیں شاداں روشنی میں
منوّر کوٹھیاں جزیروں سے
اندھیرا میرے گھر میری گلی میں

مہنگائی

غریبوں کو یہ غم دو وقت کی روٹی نہیں ملتی
امیروں کو بھی اب تو شام کو بوٹی نہیں ملتی
پریشاں ہیں حسیں اس دورِ مہنگائی میں کیوں کہ اب
حسینوں کو کبھی پوڈر، کبھی چوٹی نہیں ملتی

عروسِ حریت

عروسِ حریت خوں مانگتی ہے
پہ مجھ کو مفت آزادی ملی ہے
مگر تھا میں تو مجنوں چوری والا
کٹورہ خون کا کیوں مانگتی ہے

ذوقِ صبیح

بولتے ہیں وہ تو انگریزی فصیح
مجھ کو اردو بھی نہیں آتی صحیح
منزلیں کس طرح طے ہوں گی کٹھن
وہ ملا ہے جو مرا ذوقِ صبیح

المیہ

روشن ہے بزمِ غیر ہمارے چراغ سے
شکوہ ہے باغباں سے مجھے نہ کہ باغ سے
انجمؔ یہی ہے المیہ بے درد قوم کا
''اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

گلشن فروش

چپ چاپ ہیں درخت فضا بھی خموش ہے
یعنی کہ ماہِ جون میں گرمی کا جوش ہے
مت پوچھ دوست بزمِ سیاست کی داستاں
جو باغباں ملا وہی گلشن فروش ہے

آئینہ خانے

وہ جھنڈے کیوں نہ کاروں پر لگائیں
ملیں بے کار لوگوں کو جو کاریں
مبارک ہوں انہیں آئینہ خانے
غریبوں کو مگر پتھر نہ ماریں

جہانِ عشق

جہانِ عشق میں بہر وفا مقہور ہو جانا
محبت کیا ہے دل کا بے کس و مجبور ہو جانا
اگر چشمِ کرم ہو منشیء تقدیر کی انجمؔ
نگہ کافر میں کیا ہے دل کا پھر منظور ہو جانا

بہار کا دامن

بھرا ہوا ہے گلوں سے بہار کا دامن
گہر سے عاشقِ شب زندہ دار کا دامن
مئے کرم سے کرو پر ایاغ و لالہ و گل
ہے تنگ خار کی صورت شرار کا دامن

انتظام

اہلِ زر کا سلام کون کرے
جاہلوں سے کلام کون کرے
رہنما ہیں کہ برف کی سل ہیں
ملک کا انتظام کون کرے

وعدۂ فردا

یہ کب تک وعدۂ فردا چلے گا
نگہ ساقی نہ پیمانہ چلے گا
تہی ساغر رہے گر رند انجمؔ
تو کب تک ایسا مے خانہ چلے گا

نسیمِ سحر

الٹا جونہی نقاب تو پیدا سحر ہوئی
وہ مسکرائے ناز سے تو دوپہر ہوئی
بکھری جو اُن کی زلف تو عالم تھا رات کا
لہرا گئی تو جانِ نسیمِ سحر ہوئی

روشنی

زندگی سے وہ عشق ہے ہم کو
کوئی مرتا نہیں کسی کے لیے
رہبروں نے ہے تیرگی بخشی
ہم ترستے تھے روشنی کے لیے

دوپٹہ

سرتاج تھا وہ میرا، جو تھا تاج شہر کا
رنگِ بہار وقت سے پہلے بکھر گیا
دنیا کے جس قدر ہیں مسائل اسی کے ساتھ
جس بدنصیب سر سے دوپٹہ اتر گیا

جمود

حالات کے جمود سے فکرِمعاش سے
میرے چمن میں دیکھئے کیا کیا نہیں ہوا
سرخ آندھیوں میں گھر گئے ہیں ماہ و انجم اب
مدت سے کوئی رہنما پیدا نہیں ہوا

رسمِ کہنہ

نااہل حکمراں تو ہیں محکوم باشعور
یہ رسمِ کہنہ ذہن میں طوفاں مچا گئی
گو برقی قمقموں سے منور ہے رنگ محل
افسوس ہے کہ تیرگی ذہنوں پہ چھا گئی

تخریب کار

ہے ملکِ پاک پنجہء اغیار میں گھرا
بھارت ہے اس طرف تو اُدھر روسی سامراج
یہ بدسرشت دونوں ہی تخریب کار ہیں
لیکن نہ ہو گا پورا کبھی اِن کا رام راج

دعا

صبح دیکھا بادلوں میں نقشہ پاکستان کا
سرزمینِ پاک میں تھا خطہء کشمیر بھی
ہاتھ میرے اٹھ گئے اور منہ سے نکلی یہ دعا
تو ہے رب کشمیریوں کا تو بدل تقدیر بھی

بے اصول

کشمیر جل رہا ہے پہ لیڈر ہیں بے اصول
اب تھک گیا ہے شیخ دعا مانگ مانگ کر
کشمیریوں سے کوئی محبت نہیں انہیں
نازاں ہیں حکمراں مرے ہر حد پھلانگ کر

ارزانی

کشمیریوں کے خون کی ارزانی دیکھئے
لیڈر ملے ہیں قوم کو قسمت سے کام کے
وہ کہہ رہے ہیں کون یہ کرتا ہے احتجاج
ہم بھیجتے ہیں دشمنوں کو تحفے آم کے

اجازت

اجازت دی ہمیں ہے قوم نے کشتی ڈبونے کی
پھر اس کے بعد تم تعمیر کا سامان کر لینا
ادھر کشمیر بیچیں گے ادھر لندن کو چل دیں گے
تم اس کے بعد بھارت کو بھی پاکستان کر لینا

جنوں

تمہارے ایک نقرے نے حکومت چھین لی تم سے
نہ تھا لازم بتانا توڑ کر کاسہ گدائی کا
نہیں موقوف امریکہ پہ مسلم دشمنی انجم
جنوں دیکھا نہ تو نے غیر مسلم کی خدائی کا

نظامِ میکدہ

ہمیں تو باغباں بتلا رہا ہے
کہ بن جل تھل ہی گل شبنم کو ترسے
تہی ساغر رہیں گے رند انجم
نظامِ میکدہ جب تک نہ بدلے

فکروشعور

قائد یہاں بدلتے رہے مثلِ روز و شب
فکروشعورِ قوم بھی بدلے تو بات ہے
اے مادرِ وطن ہو نیا قائدِ وطن
تیرے افق پہ اب کے سیاست کی رات ہے

نظمِ خودی

ہے معیّن موت کا جب ایک دن
لوگ کیوں بے موت ہی مرنے لگے
کس طرح یارب چلے نظمِ خودی
مرد نامردوں سے جب ڈرنے لگے

علاج

تم کو پہچاں نہیں شرافت کی
شوخ ہو بد مزاج ہو تم لوگ
خوں مریضوں کا چوسنے والو
کس مرض کا علاج ہو تم لوگ

دجلۂ خوں

ایک طوفاں ہے کہ بڑھتا ہی چلا آتا ہے
سخت خطرے میں ہیں اخلاص و اخوت کے ستوں
آستیوں میں چھپائے ہوئے دشنوں کی قسم
موجزن مجھ کو نظر آتا ہے اک دجلۂ خوں

کالاباغ ڈیم

اپنے بل منظور کرواتے ہو تم بالاتفاق
قوم کے شاہین پر تم کو گماں ہے زاغ کا
آرڈیننسوں کے گلدستے عطا ہوں قوم کو
نامکمل کیوں ہے اب تک ڈیم کالا باغ کا

قانونِ ضرورت

ہے یہ قانونِ ضرورت اور عمل کی بات کر
کہہ رہا تھا ایک مفتی اک سیاستدان سے
اپنی قسموں کا کفارہ روزوں سے کر دو ادا
مسئلہ مجھ کو یہی آیا سمجھ قرآن سے

فریب

اپنا لہو جو سرد ہو پیری کے خوف سے
کیا فائدہ شباب کو دیکھیں خضاب میں
لیڈر سمجھ رہے ہیں کہ ہے قوم بے شعور
اور اک فریب دیں گے اسے انتخاب میں

بارِ حیات

مقصودِ مرگ و زیست نہیں ہے غم و نشاط
بعد از حیات نام ہے زندہ تو بات ہے
وہ لوگ ہیں عظیم جو دیں موت کو شکست
بزدل ہیں جن کے دوش پہ بارِ حیات ہے

غدار

شاملِ تخریب تھے کچھ قوم کے غدار لوگ
داغ ہے سولہ دسمبر قوم کے رخسار پر
چونکہ زندہ ہیں وہ دہشت گرد اب تک سندھ میں
پھر سے لگتا ہے کراچی آج نوکِ خار پر

سیاسی ڈاکٹر

نظریاتی ملک تھا میرا کھلونا تو نہ تھا
ناز سے جس کو سیاست کا کھلنڈرا توڑ دے
ملک میں ہے کیا کوئی ایسا سیاسی ڈاکٹر
آپریشن سے جو میرا ٹوٹا بازو جوڑ دے

شعلۂ نمرود

ابھی سرمایہ داروں کی ابھی جاگیرداروں کی
ہمارے ملک میں بدقسمتی سے ساکھ باقی ہے
ہوا ثابت کہ 'سوشل ازم' گلزارِ خلیل اب تو
مگر اِس شعلۂ نمرود میں کچھ راکھ باقی ہے

انتظار

زخم دل کے نظر نہیں آتے
درد کا اعتبار کون کرے
میرے محبوب پردہ رخ سے اٹھا
حشر کا انتظار کون کرے

رازِ حیات

جو سمجھتے ہیں عشق کو اک روگ
اُن پہ رازِ حیات ہے پنہاں
عالمِ عشق میں سمجھتے ہیں
اہلِ دل صرف اہلِ دل کی زباں

مرہم

زخم ہوتے ہیں مندمل اِس سے
وقت کیا بہترین مرہم ہے
لاکھ غم ہیں دلوں میں لوگوں کے
اک ترا غم ہی مجھ کو کیا کم ہے

وعدۂ محبوب

ہیں کرشمے وعدۂ محبوب کے
رند کیا زاہد بھی قائل ہو گئے
مرنے جینے کی وہ قسمیں کیا ہوئیں
لوگ یا حالات حائل ہو گئے

فلسفہ

تیرا روئے پرنور پیشِ نظر ہے
تجھے دیکھنا ہے عبادت سے بہتر
میں انسانیت کا پجاری ہوں انجم
نہیں فلسفہ کچھ محبت سے بہتر

نعمت

تم رہو سرگراں خدا کے لیے
سرگرانی بھی طرزِ الفت ہے
آج کل کے جہانِ سرکش میں
مجھ کو حاصل وفا کی نعمت ہے

خندۂ گل

کل جو پوچھا جنابِ انجم سے
خندۂ گل کہ شبنمِ مصلوب
توسنِ فکر کا محرک ہے
سن کے بولے وہ صورتِ مجذوب

سوچ کا معیار

ہم نے دیکھا ہے سوچ کا معیار
جانے کیا ہو گیا زمانے کو
ذہن جلتا ہے لکھنے والے کا
داد ملتی ہے گانے والے کو

سرِ دار

کیا کہتے ہیں احباب پتہ ہو تو بتا دو
اے جانِ تمنا میں سرِ دار کھڑا تھا
صرصر ہو کہ گل چیں ہو خزاں سب ہیں مخالف
گل صحنِ چمن میں کو سرِ خار کھڑا تھا

شعری مجموعہ

ماہ و انجم

روز ازل سے جاری و ساری ہے انقلاب
انجمؔ وہ شام ہی نہیں جس کی سحر نہیں

غلام جیلانی انجم ملک

مرتب: محمد جاوید انجم

ماہ و انجم

غلام جیلانی انجم ملک

بیادِ برادرم غلام جیلانی انجم ملک

ظفر عباس ملک
شاعرِ ہفت زبان

شاعرِ رنگیں نوا و خوش ادا انجم ملک
مردِ سادہ، ہوش مند و دلربا انجم ملک

قوم کے غم میں سدا ڈوبا ہوا انجم ملک
پرخلوص و درد مند و خوش نوا انجم ملک

تیرا پیشہ ناز پرور، پیشہء پیغمبراں
راہ ساز ، راہ دان و رہنما انجم ملک

حق پرستی اور حق گوئی رہا تیرا شعار
حق کو حق اور بد کو بد تو نے کہا انجم ملک

عاجزی اور انکساری تیری ہر اک بات میں
تیرا شیوہ تھا سدا صبر و رضا انجم ملک

اپنے شاگردوں کی یوں کردار سازی تو نے کی
سادگی کا درس ان کو بھی دیا انجم ملک

جو بھی تیری بزم میں آیا ترا ہی ہوگیا
تا ابد تجھ کو نہیں سکتا بھلا انجم ملک

شاعری اپنی مرتب تو نہ گرچہ کر سکا
کر رہا ہے کام یہ بیٹا ترا انجم ملک

یہ تو ہے جاوید انجم، زندۂ جاوید تو
دے خدا اس کام کی اس کو جزا انجم ملک

تیرے فن کی قدردانی قسمتِ جاوید ہے
وارثِ یکتا ہے یہ بیٹا ترا انجم ملک

تیرے بچے آج تیرا ورثہ ء انمول ہیں
زیورِ تعلیم جو ان کو دیا انجم ملک

درجۂ اعلیٰ ملے حق سے تجھے فردوس میں
ہے خدا سے بس یہی سب کی دعا انجم ملک

لاشہ ءغم اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہوں میں
دل میں زخموں کا چمن ہے مسکرا سکتا ہوں میں

مجھ سے لکھوائی زبورِ غم جو دردِ ہجر نے
جانِ من! فرصت اگر ہو تو سنا سکتا ہوں میں

غالب آیا ہے غرورِ حُسن پہ جذبِ وفا
شمع کو چاہوں تو پروانہ بنا سکتا ہوں میں

میں وہ غدارِ سیاست ہوں اس اندھی قوم میں
کھوٹہ سکہ بھی کھرا کر کے چلا سکتا ہوں میں

میں نہیں جبریلِ سِدرہ، طائرِ لاہوت میں
عرش کے کنگروں کے اوپر پھڑ پھڑا سکتا ہوں میں

میں کہ ہوں پیرِ سیاست بیچ سکتا ہوں چمن
لیڈروں کو انگلیوں پر بھی نچا سکتا ہوں میں

میں کہ ہوں فرصت گزیدہ غم چشیدۂ زمن
اک تبسم پر غمِ دنیا بھلا سکتا ہوں میں

جو تری زلفیں سجانے کے لیے لایا تھا پھول
اب مزارِ یاس پہ اپنے سجا سکتا ہوں میں

گو نہیں سچ کی کسے توفیق لیکن آج بھی
اپنی سولی اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہوں میں

آفتابِ فکر ہوں انجمؔ نہ فن کا ماہتاب
آسمانِ شوق پہ کیا جگمگا سکتا ہوں میں

انجم فہمی

محترم غلام جیلانی انجم ملک کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کا شمار بلا مبالغہ ملک کے استاد شعراء میں ہوتا ہے۔ میرے لیے ہمیشہ آپ ایک مشعلِ راہ رہے۔ ان کے کلام کی گہرائیوں اور گیرائیوں کی غواصی کے بعد مجھ پر کھلا کہ میں تو ابھی ایک طفلِ مکتب ہوں۔ البتہ ان کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے شعری شعور کی انگلی پکڑ کے میں بھی مبتدیوں میں شامل ہو گیا۔ محترم انجم ملک استادالشعراء میں ہی شامل نہیں بلکہ ایک نئے اسلوب کے بھی بانی ہیں۔ ان کے متعارف کرائے ہوئے نئے شعری اسالیب ادبی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کی ادب پروری نئی تاریخ رقم کر رہی ہے۔ ان کے بارے میں موشگافیاں کرنا پلِ صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ مبصر کی ذرا سی غلطی اسے کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ ان کے کلام کے عمیق مطالعے اور انجم فہمی کے بعد میں ان کے متاثرین میں شامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

..............................وما علینا الا البلاغ

عارف بخاری